مکتبہ الرحمانیہ
جامع مسجد فردوس خان ہوتی مردان

مشترکہ خاندانی نظام
اوراس سے متعلق شرعی مسائل واحکام

مفتی عبیدالرحمن عفی عنہ

دارالافتاء دارالعلوم الرحمانیہ، مردان

فہرست مضامین

پیش لفظ

الحمدُ لوليّه والصّلاةُ على نبيّه وعلى آله وأصحابه المتأدّبين بأدابه،
أمّا بعد:

مشترکہ خاندانی نظام اور اس کے متعلق شرعی مسائل واحکام کے متعلق یہ چند اوراق آپ کے ہاتھ میں ہے، اس کے لکھنے کی وجہ یہ بنی کہ ہمارے ہاں یہ نظام قدیم زمانے سے رائج ہے اور تقریباً تمام گھرانوں کا ابھی تک نسل در نسل یہی معمول چلتا چلا آرہا ہے اس لئے اس کے متعلق مختلف قسم کے سوالات دار الافتاء میں آتے تھے جن میں سے بعض سوالات اتنے پیچیدہ اور ہمہ گیر نوعیت کے حامل تھے جس کو محض ایک سوال کے جواب کے طور پر یا فتویٰ کی شکل میں لکھنا مشکل تھا بلکہ اس کے مناسب حل کے لئے نہایت تحقیق وتدقیق کی ضرورت تھی، دوسری طرف اس نظام میں بعض پیچیدگیاں اور کچھ ایسے عناصر بھی مشاہدہ میں آتے رہیں جو بار بار اس نظام کے فوائد ومفاسد کے موازنہ کرنے کی طرف دعوت دیتے تھے اور اس کے نتیجہ میں کچھ لکھنے کی ضرورت بار بار محسوس ہوتی رہی، ان دو بنیادی اسباب کی وجہ سے یہ چند صفحات سیاہ کرنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا۔

اس تحریر کے تیار ہو جانے کے بعد کئی ساتھیوں کی خدمت میں پیش کیا تاکہ وہ علمی وتنقیدی طور پر اس کا مطالعہ فرمائیں کیونکہ فقہ وفتویٰ کے میدان کی طبیعت اور اس کا مزاج ہی کچھ ایسا ہے جس میں محض ایک آدمی کی رائے عموماً کفایت نہیں کرتی بلکہ علم وتحقیق کے بہت کچھ گوشے، اشباہ ونظائر کے متنوع زاویے اور

بیان و تعبیر کے کئی اسالیب ایسے ہوتے ہیں جن کی طرف عام طور پر ایک آدمی کے ذہن کی رسائی نہیں ہو پاتی اور مختلف اہلِ علم کے توجہ دلانے سے اس کی طرف کچھ تنبّہ حاصل ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ احساس بھی ہوتا رہا کہ ان جیسے اہمیت کے حامل مسائل کی شرعی حیثیت کے متعلق فردِ واحد کا فتویٰ یا اس کی تحریر سے امتِ مرحومہ کو کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات ایسا اقدام، خواہ کتنے ہی اخلاص و دیانت داری پر مبنی ہو، لیکن مستقبل میں امت کے لئے کئی علمی و عملی مسائل و مشکلات کا سبب بن جاتا ہے۔

اس احساس کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہمارے ہاں دارالافتاء دار العلوم الرحمانیہ کی حد تک محدود "مجلس فقہی" میں اس پوری تحریر کو رکھا جائے، چنانچہ سب شرکاء نے اوّلاً پوری تحریر کا تنقیدی مطالعہ کیا اور ساتھ اپنی تجاویز و تحفّظات لکھے، اس کے بعد تمام اراکین کی موجودگی میں باقاعدہ ایک مجلس ہوئی جس میں پوری تحریر اور تمام تجاویز و تحفظات پر غور کیا گیا اور اس کے مطابق اصلاحات و اضافات کئے گئے، اس کے بعد اب اس کی طباعت کا مرحلہ شروع کیا گیا۔

تحریر کے شروع میں ارادہ یہ تھا کہ عامیانہ زبان و بیان میں ایک کتابچہ تیار کیا جائے تاکہ معاشرہ کے عام احباب بھی اس کو آسانی کے ساتھ پڑھ دیکھ سکے اور یوں ان منکرات و تنازعات کا سدّ باب ہو سکے جو اس سلسلہ میں عام معاشرہ میں رائج ہے اور جن کی اصلاح کی خاطر یہ کتابچہ تیار ہوا تھا، لیکن بعد میں مختلف مسائل میں غور و فکر کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ اس طرح کرنے میں صلاح و خیر کے بجائے نقصان کا خطرہ زیادہ ہے کیونکہ اکثر مسائل ایسے ہیں جن کی متنوع شقیں اور مختلف

احکام ہیں اور ان مختلف صورتوں کا ذکر کرنا ضروری بھی ہے کیونکہ سب ہی شکلیں برابر رائج ہیں، اور تجربہ یہ ہے کہ جب عام افراد کے سامنے کسی مسئلہ کے مختلف پہلو آتے ہیں تو دینی تصلب و حمیت کے کمزور ہونے کی وجہ سے عموماً وہ وہی شق اختیار کرتے ہیں جس میں ان کو کوئی مالی منفعت یا کچھ دنیوی مفاد حاصل ہو سکے اگرچہ اس میں جھوٹ و بددیانتی تک کا ارتکاب کرنا پڑے چنانچہ اسی لئے بہت سے اصولیین وفقہاء نے فتویٰ کے آداب میں سے ایک یہ ادب بھی ذکر فرمایا کہ عام سائل کے جواب میں مسئلہ کی مختلف شقیں بالکل ذکر نہ کی جائیں بلکہ مستفتی سے تنقیح کرواکر کسی ایک شق کو متعین کیا جائے اور پھر صاف واضح الفاظ میں صرف اسی متعلقہ شق کے جواب دینے پر اکتفاء کی جائے، اس تجربہ کی بنیاد پر تحریر کا انداز عامیانہ نہیں رکھا گیا بلکہ کچھ علمی و فقہی اصطلاحات و تکییفات کا بھی ذکر کیا گیا اور عربی عبارات کا ترجمہ بھی نہیں کیا گیا۔

آخر میں تمام اہلِ علم کی خدمت میں التجاء ہے کہ اگر اس میں کوئی علمی / فقہی سقم ہو یا مزید کچھ اصلاح واضافہ کرنے کی ضرورت ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور قابلِ اصلاح پہلو ہو، تو ضرور اس ناکارہ کو اطلاع فرمائیں تاکہ اس سے استفادہ کیا جاسکے اور غور وخوض کے بعد اس کے مطابق تصحیح کی جائے۔

ان بے ربط کلمات کو ختم کرنے سے پہلے میں ان تمام احباب کا دلی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس رسالہ کی تیاری یا طباعت میں کسی بھی طرح اس ناکارہ کا تعاون کیا خصوصاً اپنے رفقاء دار الافتاء وارا کینِ مجلس فقہی کا، اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں ان کو بہترین بدلہ نصیب فرمائیں، اور ہم سب کو اپنے پورے دینِ

متین پر صبر واستقامت اور تصلّب کے ساتھ رہنے اور اس کی خدمت کرتے رہنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین

ناکارہ عبید الرحمن

دارالافتاء دارالعلوم الرحمانیہ، مردان

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ

****

مقدمہ

مقدمہ میں موضوع سے متعلق چھ بنیادی ضوابط مذکور ہیں۔

ضابطہ نمبر:۱

مال دینے کی مختلف صورتیں اوران کے احکام

کسی کومال دیدینے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں: یاتوجس کومال دیاجارہاہو،اس کواس مال کامالک بنادینامقصود ہوگا یانہیں؟اگرمالک بنانامقصود ہوتوواپس کرنے کی یا اس کے عوض کچھ دینے کی شرط ہوگی یانہیں؟اگرواپس کرنے کی شرط کے ساتھ مال دیاجائے توقرض کہلائے گا،اگرعوض دینے کی شرط ہوتوعقدکودیکھتے ہوئے بیع، اجارہ یاہبہ بشرط العوض قرار دیاجائے گا،اگرواپس کرنے کی شرط ہو نہ ہی عوض دینے کی بات طے کی جائے،بلکہ بلاعوض مال دیاجائے توہبہ ہے۔

اگرمال کامالک بنادینامقصود نہ ہوتواگردینے سے مقصودمال کوحفاظت میں رکھنا ہوتو ودیعت ہے،اگرکچھ مدت کے لئے اس مال کے منافع مہیاکرنامقصود ہو تو عاریت۔اور اگراس کے ساتھ کسی کاروبار وتجارت میں شریک ہونامقصود ہو تو شرکت یامضاربت قرار پائے گی۔

ان میں سے کسی بھی نوعیت کے مطابق مال دیناہوتودیتے وقت ہی اس کو مکمل طورپرواضح کردیناچاہئے کہ یہ مال میں بطور ہبہ دے رہاہوں یاشرکت وقرض

کے طورپر، بہت سی مرتبہ نوعیت واضح نہ کرنے کی وجہ سے نوبت نزاع تک پہنچ جاتی ہے جس سے فریقین گناہگار ہوں گے، البتہ اگر کہیں معاملہ کی نوعیت واضح نہ کی جائے تو اگر فریقین کسی ایک نوعیت پر متفق ہو جائیں تو اسی کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ تو قرائن کے مطابق کسی ایک نوعیت کو ترجیح دی جائیگی، لہٰذا اگر زبانی طور پر کچھ طے نہ پایا تو اگر غالب اور تسلی بخش قرائن سے کسی ایک نوعیت کا غالب گمان ہو جائے تو اسی کو راجح سمجھا جائے گا اور اگر اس سے بھی بات نہ بنے تو جو نوعیت اخف واسہل ہو اسی کو راجح سمجھا جائے گا جیسا کہ ضابطہ نمبر دوم میں ذکر کیا جائے گا انشاءاللہ۔

ضابطہ نمبر: ۲

عمل مہیا کرنے کی مختلف صورتیں اور اس کا ضابطہ

کسی کے ساتھ عمل کرنے کی بھی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں:

الف: محض تبرع وتعاون کے لئے کام کرنا۔

ب: اجرت کے عوض کام کرنا۔

ج: کاروبار وغیرہ سے حاصل ہونے والے نفع میں شریک ہونے کے طور پر محنت کرنا۔

اب اگر کام کرتے ہوئے ان میں سے کوئی ایک حیثیت واضح کر دی جائے تو اسی کے مطابق احکام جاری ہوں گے، اگر کوئی ایک حیثیت بھی واضح نہ ہو تو مختلف قرائن کی روشنی میں کسی ایک پہلو کو ترجیح دی جائے گی، اگر ایسے تسلی بخش قرائن نہ ہوں یا قرائن موجود تو ہوں لیکن باہم متعارض ہوں، تو ایسی صورت میں اخف واسہل کا اعتبار ہو گا۔

"اشباہ" میں ہے:

مَن تيقن الفعل وشك في القليل والكثير حمل على القليل؛ لأنه المتيقن لا أن تشتغل الذمة بالأصل فلا يبرأ إلا باليقين وهذا الاستثناء راجع إلى قاعدة ثالثة هي ما ثبت بيقين لا يرتفع إلا بيقين، والمراد به غالب الظن.[١]

"تاسیس النظر" میں ہے:

الأصل في المقادير التي لا يسوغ الاجتهاد في إثبات أصلها أنّ الدلالةَ متى اتفقت في الأقل واضطربت في الزيادة يؤخذ بالأقل فيما وقع الشك في إثباته وبالأكثر فيما وقع الشكّ والإشتباه في إسقاطه.[٢]

فقہاء کرام نے اس ضابطہ کے بنیاد پر متعدد مسائل متفرع فرمائیں ہیں، مثلاً "فتاویٰ ہندیہ" میں ہے:

ولو دفع إلى ابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة على التمليك، كذا في الملتقط.[٣]

"شامی" میں ہے:

---

[١] الأشباه والنظائر مع الغمز،الفن الأول، ج١ص٢٠٤.

[٢] تاسيس النظر،ص١٥١. ونقله العلامة المفتي عميم الإحسان رحمه الله أيضا في قواعد الفقه له،ص٨١.

[٣] الفتاوى الهندية، كتاب الهبة، ج٤ص ٣٩٢.

دفع دراهم إلى رجل وقال: أنفقها ففعل فهو قرض، ولو دفع إليه ثوبا، وقال: ألبسه نفسك، فهو هبة، والفرق مع أنه تمليك فيهما أن التمليك قد يكون بعوض، وهو أدنى من تمليك المنفعة، وقد أمكن في الأول لأن قرض الدراهم يجوز، بخلاف الثانية، ولوالجية... رجل اشترى حليا ودفعه إلى امرأته واستعملته، ثم ماتت ثم اختلف الزوج وورثتها أنها هبة أو عارية فالقول قول الزوج مع اليمين أنه دفع ذلك إليها عارية؛ لأنه منكر للهبة منح.[1]

ضابطہ نمبر:۳

نفع میں استحقاق کا ضابطہ

نفع کمانے یا دوسرے کے نفع میں شریک ہونے کی بنیاد یا تو مال ہو سکتا ہے یا عمل اور یا ضمان، پھر مال یا تو نقد اور عام فروخت ہونے والی اشیاء کی شکل میں ہو گا جیسا کہ شرکت و مضاربت کی صورت میں ہوتا ہے، یا زمین، تخم اور درخت کی صورت میں ہو گا جیسا کہ مزارعت و مساقات میں ہوتا ہے۔

عمل کے متعلق ضابطہ نمبر میں تفصیل موجود ہے اور ضمان مستقلاً نفع کمانے کی کوئی بنیاد نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ محض ضمان و کفالہ لینے پر اجرت لینا شرعاً حرام ہے، البتہ کاروبار وغیرہ کے ضمن میں یہ نفع کمانے کی بنیاد بن سکتا ہے جیسا کہ شرکت الاعمال میں ہوتا ہے۔

صاحبِ ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] الدر المختار مع رد المحتار ، كتاب الهبة، ج٥ص٧١٠.

لأن الربح لا يستحق إلا بالمال أو العمل أو بالضمان فرب المال يستحقه بالمال، والمضارب يستحقه بالعمل، والأستاذ الذي يلقي العمل على التلميذ بالنصف بالضمان، ولا يستحق بما سواها؛ ألا ترى أن من قال لغيره تصرف في مالك على أن لي ربحه لم يجز لعدم هذه المعاني. واستحقاق الربح في شركة الوجوه بالضمان على ما بينا.[1]

علامہ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لأن الربح لا يستحق إلا بالعمل كالمضارب أو بالمال كرب المال أو بالضمان كالأستاذ الذي يتقبل العمل من الناس ويلقيه على التلميذ بأقل مما أخذه فيطيب له الفضل بالضمان ولا يستحق بغيرها.[2]

ضابطہ نمبر:۴

اسبابِ ملک

کسی چیز کے مالک بننے کے لئے شریعت نے چند اسباب وضع فرمائے ہیں:

الف: کبھی مختلف عقود کے ساتھ کسی چیز کی ملکیت حاصل ہوتی ہے مثلاً بیع، ہبہ، قرض۔

ب: بسا اوقات بطورِ نیابت مالک بنا جاتا ہے مثلاً وراثت اور وصیت کی صورت میں۔

---

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الشركة ،ج٣ص ١٢.

[2] تبيين الحقائق،قُبيل فصل في الشركة الفاسدة، ج٣ص٣٢٢.

ج: کبھی استیلاء وحیازت یعنی مباح چیزوں پر قبضہ کرنے سے ملکیت حاصل ہوتی ہے مثلاً شکار پکڑنا، ارض موات کو آباد کرنا۔

د: اسی طرح اپنے مملوکہ چیز کی خود بخود پیداوار میں بھی اصل مالک کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے مثلاً مملوکہ جانور کا بچہ جننا، مملوکہ زمین میں درخت اگنا وغیرہ۔

ان جیسے اسباب کے بغیر کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہیں بنتا، اور ان میں سے کسی بھی سبب سے مالک بننے کی صورت میں اس سبب سے متعلق شرعی قواعد وضوابط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے مثلاًاگر بیع کے ذریعہ کوئی شخص کسی چیز کا مالک بننا چاہتا ہے تو یہ ملکیت تب ہی جائز و مستحکم قرار پائے گی جبکہ اس میں بیع سے متعلق شرعی اصول وضوابط کا لحاظ رکھا جائے ورنہ ملکِ خبیث ثابت ہوگی جس سے فائدہ اٹھانا شرعاً جائز نہیں، اسی طرح محض کسی کے نام کچھ خریدنے یا دکان وکاروبار کو کسی کے نام کر دینے سے اس کی ملکیت دوسرے شخص کی طرف منتقل نہیں ہوگی جبکہ ہبہ کے شرائط وضوابط مثلاً قبضہ وغیرہ کی رعایت نہ رکھی جائے۔

"اشباہ" میں ہے:

وأسباب الملك ثلاثة مثبت للملك من أصله وهو الاستيلاء على المباح. وناقل بالبيع والهبة ونحوهما، وخلافه كملك الوارث.[1]

"درمختار" میں ہے:

---

[1] الأشباه والنظائر لابن نجيم، كتاب الصيد والذبائح والأضحية،ص: ٢٤٥.

اعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل كبيع وهبة وخلافة كإرث وأصالة، وهو الاستيلاء حقيقة بوضع اليد أو حكما بالتهيئة كنصب الصيد لا لجفاف على المباح الخالي عن مالك.[١]

ضابطہ نمبر:۵

کسی عمل کے ساتھ منکرات کا شامل ہونا

کسی چیز میں مفاسد و منکرات شامل ہونے کے مختلف درجات ہیں، اگر مباح، مندوب یا سننِ غیر مقصودہ کے ساتھ منکرات و معاصی شامل ہو جائیں تو اگر ان منکرات سے بچتے ہوئے اصل عمل کو بجالانا ممکن ہو اور اس میں کوئی شرعی مفسدہ بھی نہ ہو تب تو درست ہے ورنہ تو اصل عمل ہی کو چھوڑ دیا جائے گا چنانچہ فقہاء کرام نے بہت سے امور کو محض اس لئے مکروہ و ممنوع قرار دیا کہ اس کی وجہ سے لوگوں کے عقائد و نظریات خراب ہونے کا خدشہ ہے۔

اور اگر فرائض، واجبات یا سننِ مقصودہ میں منکرات شامل ہو جائیں تو محض ان منکرات کی وجہ سے اصل حکم کو چھوڑنا درست نہیں، بلکہ حتی الامکان کوشش کرنی ضروری ہے کہ منکرات سے بچتے ہوئے اصل حکم پر عمل کیا جائے اور حکمت و بیدار مغزی کے ساتھ ان منکرات کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی رہے۔[2]

---

[١] الدر المختار، كتاب الصيد، ج٦ص ٤٦٣. راجعْ لمزيد التّفصيل والإستزادة: الفقه الإسلامي وأدلته، النظريات الفقهية، ج٤ص ٢٩٠٥.

[٢] فقہ حنفی کے اصول وضوابط، ص٢٠٦

یہ تفصیل تب ہے کہ جب خود اس مسنون یا مندوب عمل کی وجہ سے ہی منکرات پیدا ہو جاتے ہوں یعنی یہ عمل منکرات پیدا ہونے کا محرّک یا جالب ہو، اگر خود اس عمل کی وجہ سے منکر پیدا نہ ہو بلکہ اس کا منشا کچھ اور ہو تو اس کی وجہ سے مسنون عمل کو چھوڑنا کوئی لازم نہیں ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ کم از کم اپنے آپ کو منکرات سے بچاتے ہوئے اصل حکم پر اس کی حیثیت ودرجہ کے مطابق عمل کیا جائے، چنانچہ فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کسی دعوت میں گانے بجانے وغیرہ کوئی منکر شامل ہو لیکن دستر خوان پر کوئی منکر نہ ہو تو اگر کسی کی شرکت کی وجہ سے عام لوگوں میں ان کاموں کی جرءت پیدا ہونے کا خدشہ نہ ہو وہ دعوت میں شریک ہو سکتے ہیں اور گانے بجانے کی وجہ سے دعوت قبول کرنے کی سنت کو چھوڑنا ضروری نہیں ہے۔

علامہ موصلی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وإن لم يقدر فإن كان اللهو على المائدة لا يقعد؛ وإن لم يكن على المائدة، فإن كان مقتدى به لا يقعد، وإن لم يكن مقتدى به فلا بأس بالقعود.

(وإن لم يقدر فإن كان اللهو على المائدة لا يقعد) لأن استماع اللهو حرام والإجابة سنة، والامتناع عن الحرام أولى من الإتيان بالسنة (وإن لم يكن على المائدة، فإن كان مقتدى به لا يقعد) لأن فيه شين الدين وفتح باب المعصية على المسلمين، وما روي عن أبي حنيفة أنه قال: ابتليت بهذا مرة فصبرت كان قبل أن يصير مقتدى به (وإن لم يكن مقتدى به فلا بأس بالقعود) وصار

كتشييع الجنازة إذا كان معها نياحة لا يترك التشييع والصلاة عليها لما عندها من النياحة كذا هنا.[1]

"بدائع" میں ہے:

وإن كان في غالب رأيه أنه لا يمكنه التغيير لا بأس بالإجابة لما ذكرنا أن إجابة الدعوة مسنونة ولا تترك السنة لمعصية توجد من الغير ألا ترى أنه لا يترك تشييع الجنازة وشهود المأتم وإن كان هناك معصية من النياحة وشق الجيوب ونحو ذلك؟ كذا ههنا.[2]

ضروریات ومصالح اور مفاسد ومنکرات شامل ہونے کے شرعی حدود وقیود

باقی رہا یہ سوال کہ اگر کسی مشروع عمل کے ساتھ کچھ مفاسد ومنکرات ضم ہوجائیں تو وہ کب اور کس حد تک ممنوع قرار دیا جائے گا؟ اسی طرح اگر کسی ممنوع کام کے ساتھ کچھ مصالح یا ضروریات وابستہ ہوجائیں تو کہاں تک اس کی گنجائش ہوسکتی ہے؟ تو اس کے بارے میں "فتاویٰ ہندیہ" میں "خزانۃ الفتاویٰ" سے ایک مناسب ضابطہ نقل فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

۱۔ اگر کوئی عمل اصلاً ممنوع ہو لیکن اس کے ساتھ کچھ شرعی مصالح یا ضروریات وابستہ ہوجائیں اور ان عوارض کی وجہ سے فقہاء کرام کے ذکر کردہ مختلف ضوابط کی روشنی میں اس عمل کی اجازت دینی پڑ جائے تو ان عوارض کو دیکھا جائے گا، اگر عمومِ بلویٰ اور ضرورتِ عامہ کی حد تک یہ عوارض در پیش ہوں تو اس عمل کو

---

[1] الاختيار لتعليل المختار، قبيل فصل في الكسوة، ج٤ص١٧٧.

[2] بدائع الصنائع، كتاب الاستحسان، ج٥ص ١٢٨.

مکروہ تنزیہی قرار دیا جائے گا اور اگر اس حد تک عارض نہ ہوں تو مکروہ تحریمی یعنی ناجائز رہے گا۔

۲۔ اگر کوئی عمل اصلاً مشروع ہے لیکن کچھ منکرات ساتھ شامل ہو گئیں ہوں، تو ان منکرات کو دیکھا جائے گا، اگر ان منکرات سے بچتے ہوئے اس عمل کو بجالانا غالب گمان کے مطابق مشکل ہو تو خود اس عمل کو ہی مکروہ تحریمی قرار دیا جائے گا اور اگر منکرات و مفاسد اس حد تک شامل نہ ہوں تو مکروہ تنزیہی یعنی جائز لیکن نامناسب قرار دیا جائے گا۔

"فتاویٰ ہندیہ" میں ہے:

والأصل الفاصل بينهما أن ينظر إلى الأصل، فإن كان الأصل في حقه إثبات الحرمة وإنما سقطت الحرمة لعارض، ينظر إلى العارض إن كان مما تعم به البلوى وكانت الضرورة قائمة في حق العامة فهي كراهة تنزيه، وإن لم تبلغ الضرورة هذا المبلغ فهي كراهة تحريم فصار إلى الأصل، وعلى العكس إن كان الأصل الإباحة ينظر إلى العارض، فإن غلب على الظن وجود المحرم فالكراهة للتحريم وإلا فالكراهة للتنزيه، نظير الأول سؤر الهرة، ونظير الثاني لبن الأتان ولحومها، ونظير الثالث سؤر البقرة الجلالة وسباع الطير.[1]

---

[1] الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، ج٥ص ٣٠٨.

ضابطہ نمبر:٦

شرکت فاسدہ میں تقسیم نفع کا طریقہ کار

شرکتِ فاسدہ کی مختلف صورتیں ہیں اوران کے احکام بھی مختلف ہیں، اگر کہیں مال اور عمل دونوں میں شرکت ہو اور پھر کسی وجہ سے شرکت فاسد ہو جائے تو فسادِ عقد کی وجہ سے شرکت کا معاہدہ قابلِ عمل نہیں ہو گا اور تقسیمِ نفع کا جو تناسب طے کیا تھا اس کا بھی اعتبار نہیں رہے گا، بلکہ جتنی آمدنی حاصل ہوئی، وہ دونوں فریق کے درمیان اپنے اپنے مال کے بقدر تقسیم ہو گی۔

درر وغرر میں ہے:

(الربح في الشركة الفاسدة على قدر المال وإن شرط الفضل) لأن الأصل أن الربح تابع للمال كالريع ولم يعدل عنه إلا عند صحة التسمية ولم تصح فيبطل شرط التفاضل لأن استحقاقه بالعقد فيكون فيه تقرير الفساد وهو واجب الدفع.[1]

اگر شرکت میں مال محض ایک جانب سے ہو یا مال تو دونوں کی طرف سے ہو لیکن عمل محض ایک جانب سے ہو تو پہلی صورت میں جس کا مال ہو گا، پورا نفع بھی اسی کا شمار ہو گا اور دوسری صورت میں نفع مال کے برابر تقسیم ہو گا تاہم دونوں صورتوں میں عمل کرنے والے کو اپنے عمل کی اجرتِ مثل دی جائیگی، کیونکہ شرکت کے معاملہ کرنے سے واضح ہوا کہ وہ بلا عوض کام کرنے پر راضی نہیں اور

---

[1] الدرر والغرر ، كتاب الشركة، ج٢ص٣٢٤.

یوں یہ عمل معدّ للاستغلال کے حکم میں داخل ہو جائے گا جس میں اجرتِ مثل واجب ہوتی ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے اس کے کئی جزئیات ذکر فرمائے ہے، مثلاً کتاب الاصل میں ہے:

وإذا اشترك الرجلان ولأحدهما بغل وللآخر بعير فاشتركا على أن يؤاجرا ذلك، فما رزقهما الله تعالى من شيء فهو بينهما نصفان، فآجراهما جميعاً بأجر معلوم في عمل معلوم وحِمْل معلوم، فإن هذا فاسد لا يجوز، ويقسم الأجر على مثل أجر البغل ومثل أجر البعير.[1]

اس صورت میں چونکہ رأس المال نقد رقم کی شکل میں نہیں ہے اس لئے شرکتِ فاسدہ ہے لیکن اس کے باوجود اجرتِ مثل کو ضروری قرار دیا گیا، علامہ سرخسی رحمہ اللہ اس کی علت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

لأنه ابتغى عن منافعها عوضا، ولم ينل ذلك لفساد العقد؛ فكان له أجر مثله. وكذلك السفينة والبيت بمنزلة الدابة في ذلك.[2]

اب ان ضوابط کی روشنی میں خاندانی شراکت سے متعلق رائج مختلف صورتوں اور اس سے متعلقہ مختلف مسائل کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

---

[1] الأصل للشيباني، كتاب الشركة، باب الشركة الفاسدة، ج٤ص ١١٦.

[2] المبسوط للسرخسي، كتاب الشركة، باب الشركة الفاسدة، ج ١١ص٢١٩.

فصلِ اول

مشترکہ خاندانی نظام اور اس کے فوائد و مفاسد

خاندان اور خاندانی نظام کی مختلف شکلیں رائج ہیں، بنیادی طور پر اس کی دو شکلیں زیادہ معروف ہیں:

الف: ایک تو مختصر خاندان ہے جو عموماً میاں بیوی اور ان کی اولاد تک محدود رہتا ہے اور کبھی والدین بھی ساتھ سکونت اختیار کرتے ہیں۔

ب: دوسرا مشترکہ خاندانی نظام ہے، پھر اس مشترکہ خاندانی نظام میں شرکاء کے درمیان اشتراک کن کن چیزوں میں ہو؟ صرف رہن سہن میں یا اس کے ساتھ کھانے پینے میں بھی سب مشترک ہوں، یا اس پر مستزاد یہ کہ تجارت اور کمائی بھی سب کی مشترک ہوں؟ اسی طرح خاندان کے کن کن افراد کو اس چار دیواری میں سمیٹا جائے؟ ان امور کے لحاظ سے مشترکہ خاندانی نظام کی مختلف اور متنوّع قسمیں قرار پاتی ہیں جس کو ذکر کرنا یہاں مقصود نہیں۔

یہاں انفرادی خاندان سے مراد یہ ہے کہ رہن سہن اور کھانے پینے میں صرف وہی افراد شریک ہو کر رہیں جو شرعی ضابطہ کے مطابق آپس میں محارم کہلاتے ہیں اور مشترکہ خاندان سے مراد یہ ہے کہ محارم اور غیر محارم سب مل کر یکجا رہن سہن

اور بود و باش اختیار کریں، بر صغیر پاک وہند کے اکثر دیہات اور قصبوں میں یہی مشترکہ خاندانی نظام رائج ہے خصوصاً قبائلی نظام میں پہلے کی طرح اب تک یہی نظام مقبولِ عام رہا ہے۔

عموماً یہ نظام خاندان کے افراد کو متحد رکھنے، خاندان کے غریب و بے بس افراد کے ساتھ تعاون کرنے، کاروبار وغیرہ کے سلسلہ میں باہر رہنے والے افرادِ خانہ کے اہل وعیال کا خیال رکھنے اور مالی بچت کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور یہی اس کے فوائد گنوائے جاتے ہیں جو ایک حد تک درست ہے بلکہ بعض علاقوں میں اس کے بغیر اپنی جان، مال اور عزت کا دفاع کرنا مشکل ہے، لیکن اب، جب کہ حرص و ہوس، خود غرضی اور مفاد پرستی کے جذبات اپنے انتہائی عروج پر ہیں اور صلہ رحمی و معاشرتی اقدار کا جنازہ نکلنے کو ہے، یہ نظام عملی طور پر کئی معاشرتی، سماجی اور شرعی مشکلات و ناہمواریوں کا باعث بن جاتا ہے، جس میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔پردہ دینِ اسلام کا ایک اہم اور ضروری حکم ہے، مشترکہ رہن سہن کی صورت میں اس کی پابندی کرنا کافی مشکل ہے، بسا اوقات اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہونے کے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے بڑے مشکلات جنم لینا شروع ہو جاتے ہیں، دیور اور چچازاد بھائیوں کے علاوہ دیگر شرکاء کے رشتہ داروں کا بھی آنا جانا ہوتا ہے اس کی وجہ سے بھی بعض اوقات بڑی الجھنیں شروع ہو جاتی ہیں۔

۲۔متعدد بھائی، یا چچازاد وغیرہ شرکاء جب شادیاں کرتے ہیں تو اس کے بعد عموماً حالات دگرگوں ہو جاتے ہیں، عورتوں کے درمیان جنگ وجدال اور لڑائی و تکرار کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جس میں جھوٹ، غیبت، تہمت، چغل خوری، کینہ

وحسد، ایذاء رسانی اور دوسرے کے دکھ درد پر خوش ہونے اور اس کے علاوہ کئی منکرات ومفاسد کے بند دروازے چوپٹ کھل جاتے ہیں، اور یہ سلسلہ صرف ایک آدھ مرتبہ پھوٹ کر نہیں تھمتا، بلکہ بار بار توتو میں میں کرنے کے بعد اس کا اعادہ ہوتا رہتا ہے۔

عورتوں کے بلا وجہ ایک جگہ جمع ہونے کو شریعت ناپسند سمجھتی ہے اس لئے عورتوں کا باجماعت نماز پڑھنا بھی ممنوع قرار دیا گیا کیونکہ ان کے یکجا جمع ہونے میں عموماً شر اور فساد ہی غالب ہوتا ہے۔

۳۔ مرد اگرچہ اس لڑائی میں براہ راست شریک نہیں ہوتے لیکن بار بار سننے دیکھنے کے بعد ان میں بھی بغض وعداوت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی بار بار مشاہدہ کرتے رہنے سے اخلاقی گراوٹ اور نفسیاتی طور پر تنزّل کے شکار ہو جاتے ہیں۔

۴۔ صلہ رحمی، دینِ اسلام کا نہایت اہم اور ضروری حکم ہے، درست اور متوازن معاشرہ کے لئے اس کی حیثیت جزءلاینفک کی ہے، جبکہ ہمیشہ مشترکہ طور پر رہنے کی صورت میں عموماً آپس میں ناچاقیاں پیدا ہوتی رہتی ہے جو انجامِ کار اندرونِ خانہ اختلافات اور جھگڑوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں اور یوں خاندان کا شیرازہ بکھرتا جاتا ہے اور بھائی جیسے قریب کے رشتہ داروں سے بھی دلی محبت والفت اور صلہ رحمی کے جذبات کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

نفسیات کا اصول ہے کہ "زُر غبّا تزدد حبّا" کبھی کبھار آپس میں مل بیٹھنے سے محبت بڑھتی ہے اور مستقلاً اکھٹے رہن سہن سے ایک دوسرے کی کمزوریاں سامنے

آتی رہتی ہیں جس سے الفت و محبت کے جذبات رفتہ رفتہ ماند پڑ جاتے ہیں، کمزوریاں سامنے نہ بھی ہوں تو بھی بار بار ایک چیز کے مشاہدہ کرتے رہنے سے انسانی طبیعت اکتا جاتی ہے جس کے بعد پہلے کی طرح الفت و محبت کا برقرار رہنا مشکل ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے خاندان بہت کم دیکھنے میں آئے جو ایک عرصہ تک رہن سہن اور بود و باش میں اکھٹے رہی ہوں اور پھر محبت و بھائی چارگی کے جذبات کے ساتھ جدا ہو جائیں بلکہ جدائی عموماً ناچاقی اور ناگفتہ بہ اختلافات ہی کے نتیجہ میں عمل میں آتی ہے۔

۵۔ مشترکہ خاندانی نظام میں اندرونِ خانہ اکثر چیزوں میں شرکتِ ملک ہوتی ہے، شرکت الملک میں کوئی شریک دوسرے کی طرف سے اصلاً وکیل نہیں ہوتا بلکہ اجنبی کی طرح ہوتا ہے، لہٰذا اس کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت و رضامندی کے بغیر اس کے حصہ کو استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں، جبکہ مشترکہ خاندانی نظام میں عموماً ان شرائط و ضوابط کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، مثلاً اگر پورے خاندان میں کوئی ایک فرد بھی ایسا ہے جو صبر و برداشت کی صفت سے عاری ہو تو وہ کبھی اس پر راضی نہیں ہوگا کہ اس کی چیز یا مشترکہ چیز میں سے اس کا حصہ کوئی ایسا شریک استعمال کرے جس سے اس کو نفرت ہو۔

۶۔ مشترکہ رہن سہن میں اگرچہ مالی بچت کا فائدہ ہے لیکن شرعی احکام کے علم نہ ہونے اور مفاد پرستی کی وجہ سے یہ فائدہ بھی امکانات و احتمالات تک محدود رہ جاتا ہے، عموماً ہوتا یہ ہے کہ دوسروں کی چیزوں کو اتنی بے دردی اور اس قدر بے احتیاطی سے استعمال کیا جاتا ہے جس سے اس مالی بچت کی تلافی ہو جاتی ہے۔

۷۔اجتماعی بالخصوص مالی معاملات میں صفائی کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا، جس سے بہت سی شرعی، معاشی اور معاشرتی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۸۔ تقسیم ہونے اور جدا ہو کر رہنے کو والدین یا دیگر خاندانی بزرگوں کی نافرمانی سمجھا جاتا ہے اور جو کوئی شرعی احکام کی پابندی و اہتمام کے لئے جدا ہونے کا مطالبہ کرتا ہے اس کو ساتھ رہنے پر حتی الامکان مجبور کر دیا جاتا ہے، اگر اس کے باوجود جدا ہو جائے تو طرح طرح کی طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔

۹۔والدین اور گھر کے سربراہ کے لئے اپنے بال بچوں اور ان کی اولاد کے درمیان یکسانیت و اعتدال برقرار رکھنا کافی مشکل ہوتا ہے جس سے نفرتیں پھوٹ پڑتی ہے۔

۱۰۔ مشترکہ رہنے کی صورت میں اپنی بیوی بچوں کی اصلاح و تربیت کرنا، ان کی طرف خاطر خواہ توجہ دینا عملی طور پر اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا ہے، اگر کوئی شریک ایسا کرنے کی جسارت کرتا ہے تو اس سے بہت سی ناہمواریاں اور بے اعتدالیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

انفرادی اور مشترک خاندانی نظام کا شرعی حکم

اب اگر کوئی اتنا باہمت اور پُر عزم ہے کہ اس کو یقین ہے کہ وہ مشترکہ رہنے کی صورت میں بھی ان تمام مفاسد سے احتراز کر سکے گا اور صرف اپنی حد تک ہی نہیں، بلکہ اپنے ساتھ تمام شرکاءِ کار کے بارے میں وہ مطمئن ہے تو اس کے لئے اس نظام میں رہنے کی گنجائش ہے لیکن ظاہر ہے کہ ہر کسی کو یہ مقام کہاں نصیب ہو سکتا ہے!

اس لئے عام حالات میں انفرادی خاندانی نظام میں رہنا ہی بہتر ہے بلکہ جس شخص کو مشترکہ طور پر رہنے کی صورت میں مندرجہ بالا منکرات ومفاسد سے بچنے اور بچانے کا یقین نہیں، اس کے لئے اسی انفرادی نظام میں رہنا ضروری ہے اور مجموعی لحاظ سے انفرادی خاندانی نظام ہی مزاجِ شریعت سے زیادہ قریب اور احکامِ شریعت سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔

علامہ موصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ويكره الدخول فيه لمن يخاف العجز عن القيام به، ولا بأس به لمن يثق من نفسه أداء فرضه.[1]

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ یہ حکم فقہاء کرام نے قاضی بننے کا لکھا ہے کہ اگر قضاء کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں کوتاہی کا خدشہ ہو یا اپنے متعلق کسی ظلم ومعصیت صادر ہونے کا خدشہ ہو تو ایسے شخص کے لئے قاضی بننا مکروہ ہے، حالانکہ قضاء ایک مستقل ذمہ داری اور فریضہ ہے جب کہ مشترکہ طور پر رہنا کوئی فرض وواجب نہیں ہے۔

****

[1] الاختيار لتعليل المختار، كتاب آداب القاضي، ج۲ص ۸٤.

فصل دوم: مشترکہ خاندانی نظام میں کاروبار کی مختلف شکلیں

اولاد کا والد کے ساتھ کاروبار کرنا

اس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً:

۱۔اگر بیٹے نے والد کو کوئی سرمایہ بھی دیا تو جیساکہ پہلے ضابطہ نمبر ۱ میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ مال دینے کی مختلف نوعیتیں ہیں، اگر قرض یا احسان کے طور پر دیا ہے تو اس مال کی وجہ سے کاروبار میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا البتہ قرض کی صورت میں جب چاہے، اپنے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اگر شرکت کے طور پر مال دیا ہے تو شرکت کے احکام جاری ہوں گے، لہٰذا اگر فیصدی اعتبار سے حاصل ہونے والے نفع میں حصص بھی متعین ہوئے اور شرکت کے دیگر تمام شرائط کا بھی لحاظ کیا گیا تو طے شدہ معاہدہ کے مطابق حاصل ہونے والا نفع دونوں میں تقسیم ہوگا، ورنہ تو شرکتِ فاسدہ کہلائے گی جس کا حکم یہ ہے کہ نفع سرمایہ کے تناسب سے تقسیم ہوگا۔

۲۔دوسری بڑی صورت یہ ہے کہ بیٹا والد کو مال کچھ نہیں دیتا صرف اس کے ساتھ محنت کرتا رہتا ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ذکر کردہ ضوابط کے مطابق اس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، اگر تعاون، صلہ رحمی اور تبرع کے طور پر والد کے ساتھ کام کرتا رہا تو اس کے

عوض بیٹے کو نہ کاروبار میں کوئی حصہ ملے گا نہ ہی محض اس عمل کے بدلے اجرت اور معاوضہ کا مستحق ہوگا، البتہ والد کو چاہئے کہ کچھ نہ کچھ دیکر اس کو راضی کرے۔

اگر بیٹا والد کے ساتھ اجرت کے طور پر کام کرتا رہا تو جو کچھ اجرت طے کی گئی تھی وہی لازم ہوگی، اگر ابتدا میں اجرت طے نہیں ہوئی تو یہ اجارہ فاسدہ کہلائے گا جو کہ گناہ اور ناجائز ہے، اب اس کا حکم یہ ہے کہ بیٹا اس عمل کے بدلے کاروبار میں شریک تو نہیں ہوگا، البتہ اس کو اپنی اس محنت کے عوض اجرتِ مثل دی جائے گی یعنی یہ جتنی مدت اور جیسی محنت کرتا رہا، اگر اس جیسا آدمی اس علاقے میں اس جیسا کام کرتا تو جو کچھ اجرت اس کو ملتی، وہی اجرتِ مثل قرار پائے گی اور والد کی ذمہ داری ہے کہ بیٹے کے مطالبہ پر اس کو یہ اجرت حوالہ کردے۔

اولاد کے معاون یا اجیر ہونے کا ضابطہ

بیٹا باپ کے ساتھ کام کرنے کی صورت میں کہاں معین شمار ہوگا اور کہاں شریک یا اجیر قرار دیا جائے گا؟ اس کا اصل دار مدار بیٹے کے عمل کی نوعیت اور اس کی تکییف پر ہے، اگر بیٹا تبرع و تعاون کے قصد سے کام کرتا رہے تو معین شمار ہوگا اور اگر عوض و اجرت کی خاطر محنت کرتا رہے تو اجیر یا شریک قرار دیا جائے گا، اگر کہیں عمل کی تکییف میں دونوں فریق کا اختلاف ہو جائے تو ایسی صورت میں کچھ تسلی بخش قرائن سے بھی کسی ایک نوعیت کو متعین کیا جا سکتا ہے، نیز عرف و عادت بھی ایک اطمینان بخش قرینہ ہے بشرطیکہ عرف مطّرد یعنی عام ہو اور شرعی ضوابط کے خلاف نہ ہو۔

جامع الفصولین میں ہے:

بعث إلى امرأته شيئاً فقالت هو هدية وقال هو من المهر صدق إلا فيما يؤكل تصدق هي لا هو وهذا لأنه محتمل ولم يشهد لها الظاهر فيصدق المملك لأنه أعرف فقول العالم أولى بأن يقبل من قول الجاهل إلا فيما يكذب عرفاً.."خ": القياس في الطعام أن يقبل قوله إلا أنه ترك للعرف.[1]

یہاں اختلاف کے وقت اصلاً شوہر کی بات کا اعتبار کیا گیا کیونکہ اختلافی چیز اسی نے دی ہے لہٰذا وہ دینے کی نوعیت خوب جانتا ہے البتہ کھانے پینے کی چیزوں میں چونکہ عام عرف ہدیہ کے طور پر دینے کا ہے اس لئے اس عرف کو قرینہ بنا کر بیوی کی بات کا اعتبار کیا گیا۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے مزید تفصیل کے ساتھ اس باب کے جزئیات تحریر فرمائے، آپ فرماتے ہیں:

ومما تفرع على أن المعروف كالمشروط لو جهز الأب بنته جهازا، ودفعه لها ثم ادعى أنها عارية، ولا بينة ففيه اختلاف؛ والفتوى أنه إن كان العرف مستمرا أن الأب يدفع ذلك الجهاز ملكا لا عارية لم يقبل قوله، وإن كان العرف مشتركا فالقول للأب كذا في شرح منظومة ابن وهبان. وقال قاضي خان: وعندي أن الأب إن كان من كرام الناس، وأشرافهم لم يقبل قوله، وإن كان من أوساط الناس كان القول قوله (انتهى). وفي الكبرى للخاصي أن القول للزوج

[1] جامع الفصولين، الفصل الرابع والثلاثون في الإحكامات، ج٢ص١١٧.

بعد موتها، وعلى الأب البينة؛ لأن الظاهر شاهد للزوج كمن دفع ثوبا إلى قصار؛ ليقصره ولم يذكر الأجر فإنه يحمل على الإجارة بشهادة الظاهر (انتهى). وعلى كل قول فالمنظور إليه العرف؛ فالقول المفتى به نظر إلى عرف بلدهما، وقاضي خان نظر إلى حال الأب في العرف، وما في الكبرى نظر إلى مطلق العرف من أن الأب إنما يجهز ملكا.[۱]

ان جزئیات سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے دوسرے کو کچھ مال دیا اور پھر اس کی نوعیت میں اختلاف ہوا تو دینے والے کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، البتہ اگر اس کا دعویٰ عام عرف وعادت کے خلاف ہو تو اس عرف کو قرینہ قرار دیکر دوسرے فریق کی بات معتبر ہوگی۔

مال اور عمل میں فرق

یہ حکم تو مال دینے کا ہے، مال دینے اور عمل کرنے کے حکم میں فرق ہے کہ مال بذاتِ خود متقوّم ہے اور عمل خود متقوّم نہیں جب تک باقاعدہ کسی عقد کے ذریعے اس کو متقوّم نہ بنایا جائے، گویا کہ عمل میں اصل یہ ہے کہ وہ بلا عوض ہو، اس کے بدلے عوض لینے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے عوض کا ہونا طے کردیا جائے، لہٰذا اگر بیٹا باپ کے ساتھ محنت کرتا رہے اور ابتدا میں کچھ طے نہ کرے کہ میں اپنی محنت کا معاوضہ لوں گا، تو ایسی صورت میں یہ عمل تبرّع ہی شمار ہوگا اور اس کے بدلے اجرت کا استحقاق پیدا نہیں ہوگا۔

---

[۱] الأشباه والنظائر لابن نجيم،القاعدة السادسة "العادة محكمة"،ص:۸۵.

البتہ جس طرح عام اشیاء میں معدّ للاستغلال [1] اور غیر معدّ للاستغلال چیزوں کے استعمال میں فرق ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی چیز اس کی اجازت کے بغیر ایک مدت تک استعمال کرتا رہے اور وہ چیز معد للاستغلال نہ ہو تو اس سابقہ مدت کے بدلے اس پر کوئی اجرت واجب نہیں ہوتی، اگر چیز معد للاستغلال ہو تو اجرتِ مثل واجب ہوگی، اسی طرح عمل کے متعلق بھی یہی تفصیل فقہائے کرام کے ذکر کردہ مختلف جزئیات سے مستفاد ہوتی ہے کہ اگر عامل یا عمل ایسا ہو کہ وہ عام عرف میں مفت نہ کیا جاتا ہو بلکہ اجرت ہی کے عوض ہوتا ہے تو اجرت واجب ہوگی اگرچہ ابتداء میں طے نہ بھی ہو جائے۔

چنانچہ "در مختار" میں ہے:

وفي الأشباه: استعان برجل في السوق ليبيع متاعه فطلب منه أجرا فالعبرة لعادتهم، وكذا لو أدخل رجلا في حانوته ليعمل له. وفي الدرر: دفع غلامه أو ابنه لحائك مدة كذا ليعلمه النسج وشرط عليه كل شهر كذا جاز، ولو لم يشترط فبعد التعليم طلب كل من المعلم والمولى أجرا من الآخر اعتبر عرف البلدة في ذلك العمل. وفيها استأجر دابة إلى موضع فجاوز بها إلى آخر ثم عاد إلى الأول

---

[1] اس سے مراد دکان ومکان وغیرہ وہ تمام اشیاء ہیں جن کو مالک غلہ اور آمدنی حاصل کرنے کے لئے تیار کرکے مختص کرے۔

فعطبت ضمن مطلقا في الأصح كما في العارية وهو قولهما وإليه رجع الإمام كما في مجمع الفتاوى.[1]

ان تمام صورتوں میں اجرت واجب ہو گی یا نہیں ؟اس کا مدار عام عرف وعادت پر رکھا گیا کہ جہاں ایسی صورت پیش آئے اگر وہاں اجرت پر یہ مختلف کام کرنے کا عرف ہو تو اجرت واجب ہو گی ورنہ نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سرمایہ دینے اور محنت کرنے کے درمیان اس فرق کے علاوہ باقی دونوں کا حکم ایک ہے اور جو ضابطہ مال دینے کے متعلق تحریر کیا گیا وہی ضابطہ عمل ومحنت کرنے میں بھی جاری ہو گا جبکہ عمل ایسا ہو کہ معدّ للاستعلال کے قبیل سے ہو۔

فتاویٰ خیریہ وغیرہ کے جزئیات کا محمل

اولاد کے عمل کی حیثیت معلوم کرنے کے متعلق جو ضابطہ ابھی تحریر کیا گیا اس کا حاصل یہ ہوا کہ اگر پہلے سے عمل کرنے کی حیثیت باہمی اتفاق سے طے کی گئی یا باقاعدہ طے تو نہیں ہوئی لیکن بعد میں دونوں کسی ایک حیثیت پر متفق ہوں اور کوئی اختلاف پیش نہ آئے تو ایسی صورت میں اسی متفقہ حیثیت کا اعتبار ہو گا اور اسی کے مطابق اولاد کو اجیر یا معاون قرار دیا جائے گا، اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں اور پھر دونوں کا آپس میں اختلاف آجائے تو ایسی صورت میں عام عرف وعادت یا اس کے علاوہ دوسرے اطمینان بخش قرائن سے کسی ایک حیثیت کو متعین کیا جائے گا۔

---

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين،باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها، ج٦ص ٤٢.

انہی قرائن میں سے ایک یہ بھی ہے جو فتاویٰ خیریہ وغیرہ کئی کتابوں میں مذکور ہے کہ اگراولاد والد کے ساتھ اس کے کاروبار میں محنت کرتے رہیں اور یہ تین شرائط موجود ہوں تو سارا کاروبار والد کا شمار ہوگا اور اولاد کی حیثیت معاون ومددگار کی ہوگی۔

شرائط یہ ہیں: ۱۔ کاروبار میں بیٹے کا سرمایہ شامل نہ ہو۔ ۲۔ دونوں کا کاروبار ایک ہی ہو۔ ۳۔ بیٹا باپ کے عیال میں رہتا ہو یعنی باپ ہی اس کا نان ونفقہ وغیرہ اخراجات برداشت کرتا ہو۔

اگر یہ تینوں شرائط موجود ہوں تو بیٹوں کی حیثیت معین اور مددگار کی ہوگی اور ان کو اپنے عمل کے بدلے کوئی اجرت یا معاوضہ دینا لازم نہیں، اور اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو مثلاً بیٹے بھی کاروبار میں اپنا ذاتی سرمایہ لگائیں، یا کوئی بیٹا باپ سے اپنا الگ کاروبار کرتا رہے یا بیٹا باپ سے الگ رہتا ہو تو ان تینوں صورتوں میں بیٹوں کی حیثیت محض معین ہی کی نہیں ہوگی بلکہ ان کو اپنے اس محنت کا معاوضہ دیا جائے گا۔

چنانچہ فتاویٰ خیریہ میں ہے:

سئل في ابن كبير ذي زوجة وعيال له كسب مستقل حصل بسببه أموالاومات هل هي لوالده خاصة أم تقسم بين ورثته؟

أجاب: هي للابن تقسم بين ورثته علي فرائض الله تعالي حيث كان له كسب مستقل بنفسه وأما قول علمائنا أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شئ ثم اجتمع لهما مال يكون كله للاب اذا كان الابن في عيال أبيه فاذا عدم واحد منها لايكون

كسب الابن للاب.[1]

علامہ خیر الدّین رملی رحمہ اللہ کی اس تحقیق کو علامہ شامی سمیت کئی متاخرین فقہاء کرام نے نقل فرمایااور اسی کے مطابق کئی احکامات متفرع فرمائیں۔[2]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کہیں یہ شرائط مکمل طور پر موجود ہوں اور اس کے باوجود بیٹا سالہا سال محنت کرنے کے بعد جدائی کے وقت یہ دعویٰ کرے کہ میں تعاون کے لئے نہیں، بلکہ اجرت و معاوضہ کی خاطر یہ سب کچھ کرتا رہا تو کیا ان شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کا دعویٰ رد کر دیا جائے گا کہ جب شرائط موجود ہیں تو بیٹا بہر حال معین شمار ہوگا یا کسی صورت اس کی تصدیق بھی کی جاسکتی ہے؟ اسی طرح اگر کہیں یہ شرائط موجود نہ ہوں اور باپ دعویٰ کرے کہ بیٹا معاون کے طور پر کام کر رہا تھا تو اس کی تصدیق ہو سکتی ہے یا نہیں؟

تو فقہی اصول و ضوابط کو دیکھتے ہوئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود یہ شرائط مقصود بالذات نہیں بلکہ اصل دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بیٹے کے عمل کی حیثیت کیا ہے؟ یہ شرائط اسی حیثیت متعین کرنے کے لئے مقرر فرمائی گئی کہ ان شرائط کے ہوتے ہوئے بیٹے عموماً باپ کے ساتھ تعاون کے لئے ہی کام کرتے ہیں اور جب یہ تمام یا ان میں سے بعض شرائط مفقود ہوں تو اس کے بغیر تعاون کرنے کا رواج نہیں، یعنی ان شرائط کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک مفید اور تسلی بخش قرینے کی سی

---

[1] الفتاوى الخيرية، كتاب الدعوى، ج٢ص٦٥.

[2] تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الدّعوى، ج٢ص٢١٨.

ہے جس سے بیٹے کے عمل کی حیثیت متعین کی جاسکتی ہے اور یوں یہ جزئیات بھی سابقہ ضابطہ کے تحت داخل ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا اگر کہیں ایسا عرف نہ ہو اور ان شرائط کے ہوتے ہوئے بھی تعاون کرنے کا رواج نہ ہو یا بعض شرائط کے مفقود ہونے کے باوجود معاوضہ پر کام کرنے کا عرف ہو اور یہ عرف ورواج بھی عام اور مطّرد ہو تو وہاں دیگر قرائن کا اعتبار کرتے ہوئے عمل کی حیثیت متعین کی جاسکتی ہے۔

چنانچہ خود علامہ خیر الدّین رملی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وأما قول علمائنا أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء ثم اجتمع لهما مال يكون كله للأب إذا كان الابن في عياله فهو مشروط كما يعلم من عباراتهم بشروط منها اتحاد الصنعة وعدم مال سابق لهما وكون الابن في عيال أبيه فإذا عدم واحد منها لا يكون كسب الابن للأب وانظر إلى ما عللوا به المسألة من قولهم؛ لأن الابن إذا كان في عيال الأب يكون معينا له فيما يضع فمدار الحكم على ثبوت كونه معينا له فيه فاعلم ذلك اه۔[١]

چھوٹے بھائیوں کا بڑے بھائی کے ساتھ مل کر شراکت کرنا

اس کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

---

[١] الفتاوى الخيرية لنفع البرية، كتاب الدّعوى، ج٢ص٦٥. ونقله أيضا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الدعوى، ج٢ص ١٧.

۱۔ کاروبار میں بھائیوں کی شرکت۔

۲۔ گھریلو مصارف واخراجات میں شرکت،اس کی ضروری تفصیل مشترکہ خاندانی نظام کے ضمن میں ذکر ہوچکی ،اس لئے دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر کاروبار میں شرکت کرنے کی بھی دو صورتیں ممکن ہیں:ایک تو یہ کہ کسی ایک بھائی نے اپنے ہی سرمایہ سے تجارت شروع کردی اس کے بعد دیگر بھائیوں نے بھی ساتھ مل کر محنت کرنا شروع کیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ باپ نے اصل کاروبار شروع کیا اور اس کے انتقال ہوجانے کے بعد بھائیوں نے مل کر محنت کرناشروع کیا۔

پہلی صورت کے حکم میں تو وہی تفصیل ہے جو باپ کے ساتھ کاروبار کرنے کی ہے کہ اگر دیگر بھائیوں نے تعاون، بھائی چارگی اور تبرع کے طور پر محنت کی ہے تو یہ ان کی طرف سے تبرع واحسان شمار ہوگا اور اس کے عوض ان کو کوئی اجرت دینی لازم نہیں ہوگی، اور اگر اجرت ومعاوضہ کے طور پر کام کرتے رہیں تو چونکہ اجرت پہلے سے طے نہیں ہوئی اس لئے ان کو اجرتِ مثل دی جائے گی جس کی تفصیل پہلے ذکر ہوچکی، اور اگر کہیں دونوں فریق کے درمیان اس بات میں اختلاف ہوجائے کہ عمل برائے تبرع وتعاون تھا یا معاوضہ واجرت کے لئے ؟ تو عام عرف وعادت وغیرہ قرائن سے کسی ایک پہلو کو ترجیح دی جائیگی، اگر کسی جگہ ایسی صورت میں تعاون کے طور پر کام کرنے کا معمول ہو تو تعاون شمار ہوگا اور اگر کہیں اجرت کے عوض محنت کرنے کا عام رواج ہو تو یہی حیثیت متعین ہوگی اور اجرتِ مثل دینی ضروری ہوگی۔

اگر کہیں چھوٹے بھائیوں کی طرف سے کاروبار میں کوئی سرمایہ شامل نہ ہو اور بڑے بھائی کے ساتھ مل کر ایک ہی کاروبار میں محنت کرتے رہیں اور یہ چھوٹے بھائی بڑے بھائی کے عیال میں بھی ہوں کہ نان ونفقہ وغیرہ مصارف وہی پوری کرتا ہو، تو ان تینوں باتوں کے ہوتے ہوئے عموماً رواج یہ ہے کہ چھوٹے بھائی بڑے کے ساتھ تعاون وامداد کے لئے کام کرتے ہیں، اس لئے اس عمل کے بدلے وہ اجرت کے مستحق نہیں ہوں گے، فتاویٰ انقرویہ وغیرہ کئی کتابوں میں بڑے بھائی کو باپ کی طرح قرار دیا گیا اور باپ کے ساتھ اولاد کے کام کرنے میں یہی تفصیل ہے جیسا کہ پہلے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا۔

بھائیوں کا مرحوم والد کے ترکہ میں کاروبار کرنا

بھائیوں کے مشترکہ طور پر کاروبار کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ باپ نے اپنی زندگی میں کاروبار شروع کیا پھر اس کا انتقال ہوا اور بیٹوں نے مل کر کاروبار کو ترقی دی، یا باپ نے ترکہ میں سرمایہ چھوڑا اور بیٹوں نے میراث تقسیم کئے بغیر اس سے کاروبار شروع کیا، اس کی مختلف صورتیں ممکن ہیں، یا تو سب ورثاء نے مل کر کام کیا ہو گا یا صرف بعض نے کام کیا ہو گا؟ پہلی صورت میں آپس میں زبانی طور پر شرکت کا معاملہ طے پایا ہو گا یا نہیں؟ اور دوسری صورت میں یعنی بعض ورثاء کے کام کرنے کی تقدیر پر، یا تو باقی تمام ورثاء نے اجازت دی ہوں گی یا محض بعض نے اجازت دی ہو گی یا کسی بھی وارث کی اجازت کے بغیر کاروبار کرنے والے ورثاء نے کام کرنا شروع کیا ہو گا؟ ان تمام صورتوں کا حکم مختلف ہے اس لئے ذیل میں تنقیح وتسہیل کی خاطر یہ تمام صورتیں درج کی جاتی ہیں اور پھر ان کے احکام ذکر

کردئے جاتے ہیں۔

ا۔سب ورثاء نے باقاعدہ شرکت کا معاملہ کر کے کاروبار شروع کیا۔

۲۔ سب ورثاء نے کاروبار شروع کیا لیکن باقاعدہ شرکت کا معاملہ طے نہیں کیا گیا۔

۳۔ بعض ورثاء نے باقی تمام ورثاء کی اجازت سے کام کرنا شروع کیا۔

۴۔ بعض ورثاء نے کاروبار کرنا شروع کیا باقی ورثاء میں سے بعض کی طرف سے اجازت تھی اور بعض کی طرف سے نہیں۔

۵۔ بعض ورثاء نے باقی کسی بھی وارث کی اجازت کے بغیر کاروبار کرنا شروع کیا۔

پہلی صورت کا حکم

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر شرکت کے تمام تر ضروری شرائط موجود ہوں کہ مثلاً سب ورثاء عاقل ہوں اور مشترکہ نقد سرمایہ سے کوئی جائز کاروبار شروع کیا اور سب شرکاء کے حصص بھی فیصدی اعتبار سے متعین ہوئے، تو یہ معاملہ شرکت قرار دیا جائے گا اور شرکت ہی کے احکام اس پر نافذ ہوں گے لہٰذا معاملہ کرتے وقت تقسیمِ نفع کا جو کچھ تناسب طے کیا اسی کے مطابق نفع تقسیم ہوگا اور خدانخواستہ اگر نقصان ہو جائے تو وہ ہر ایک کے سرمایہ کے تناسب سے قرار پائے گا، اور اگر شرکت کی شرائط موجود نہ تھے تو شرکتِ فاسدہ کا حکم جاری ہوگا۔

دوسری صورت کا حکم

دوسری صورت میں چونکہ شرکت کی شرائط کا لحاظ نہیں کیا گیا کہ مثلاً

شرکت کے لئے آپس میں ایجاب وقبول کرتے، ایک دوسرے کا حصہ متعین کرتے وغیرہ، اس لئے یہ شرکتِ ملک کہلائے گی اور اسی کے احکام اس پر نافذ ہوں گے، ہمارے ہاں عموماً یہی صورت رائج ہے کہ بے جا شرم وحیاء یا غفلت کی وجہ سے کوئی معاہدہ طے نہیں کیا جاتا اور یوں ہی کام کرنا شروع کر دیتے ہیں پھر جب کاروبار ترقی کر جاتا ہے اور خاطر خواہ کمائی حاصل ہو جاتی ہے تو آپس میں نزاع واختلافات کے دروازے چٹ کھل جاتے ہیں، یہ بڑی غلطی اور کوتاہی کی بات ہے جس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

يقع كثيرا في الفلاحين ونحوهم أن أحدهم يموت فتقوم أولاده على تركته بلا قسمة ويعملون فيها من حرث وزراعة وبيع وشراء واستدانة ونحو ذلك، وتارة يكون كبيرهم هو الذي يتولى مهماتهم ويعملون عنده بأمره وكل ذلك على وجه الإطلاق والتفويض، لكن بلا تصريح بلفظ المفاوضة ولا بيان جميع مقتضياتها مع كون التركة أغلبها أو كلها عروض لا تصح فيها شركة العقد، ولا شك أن هذه ليست شركة مفاوضة، خلافا لما أفتى به في زماننا من لا خبرة له بل هي شركة ملك كما حررته في تنقيح الحامدية.[1]

---

[1] رد المحتار على الدر المختار، كتاب الشركة، ج٤ص ٣٠٧. وكذا في الفتاوى الكاملية، كتاب الشركة، ص:٤٩.

تیسری صورت کا حکم

اس میں اوّلاً اجازت کی نوعیت کو دیکھا جائے گا، اگر اجازت اس بنیاد پر دی کہ پورا نفع صرف کاروبار کرنے والے افراد کا ہوگا اور ہمارا اصل سرمایہ محفوظ رکھا جائے گا، تو یہ قرض ہے یعنی گویا اجازت دینے والے نے اپنا حصہ کاروبار کرنے والے کو قرض کے طور پر دیا، اگر حاصل ہونے والا نفع سرمایہ کے تناسب سے طے ہوا اور کاروبار کرنے کی ذمہ داری بلا معاوضہ بعض ورثاء پر ڈالی گئی تو عمل نہ کرنے والے ورثاء کے سرمایہ کی حد تک یہ معاملہ بضاعت کا قرار دیا جائے گا، ورنہ تو مضاربت کہلائے گا۔

پھر مضاربت قرار دینے کی صورت میں اگر اس کے شرائط وضوابط کا لحاظ رکھا گیا تو معاملہ درست قرار دیا جائے گا اور معاہدہ کے مطابق کمائی تقسیم کی جائے گی ، ورنہ تو مضاربتِ فاسدہ ہوگا جس کا حکم یہ ہے کہ پورا نفع ونقصان مالک کا شمار ہوگا اور محنت کرنے والے کو اپنی محنت کی اجرت مثل دی جائی گی، کیونکہ عام طور پر اس طرح کاروبار کوئی بلا عوض نہیں کرتا اور خود مضاربت کی اجازت لینا ہی اس بات کا قرینہ ہے کہ کام کرنے والا مفت کام کرنے پر راضی نہیں، اس لئے بظاہر اجرتِ مثل لازم ہوگی۔

چوتھی صورت کا حکم

اگر بعض ورثاء کی طرف سے کاروبار کرنے کی اجازت ہو اور بعض کی طرف سے نہ ہو، تو جن کی طرف سے اجازت ہے ان کے حصہ کا حکم تو وہی ہے جو ابھی صورت نمبر ۳ میں تحریر کیا گیا، اور جن ورثاء کی طرف سے اجازت نہیں ملی، ان

کے حصہ کا حکم غصب کا ہے، لہٰذا جن بھائیوں نے کاروبار کیا اور جنہوں نے اس کی اجازت دی، ان سب کے لئے اپنے اپنے حصہ کی حد تک نفع حلال ہے اور جن ورثاء کی اجازت ورضامندی کے بغیر کاروبار ہوا، ان کے سرمایہ کے تناسب سے نفع کام کرنے والوں کے لئے حلال نہیں، اب ایک تو اس اقدام پر توبہ واستغفار کرے اور پھر یہ جو نفع حلال نہیں، اس کو ثواب کی نیت کئے بغیر صدقہ کردے یا جن کا سرمایہ ہے انہی کو اپنے اصل سرمایہ کے ساتھ ساتھ یہ نفع بھی دیدے۔

نیز اس صورت میں حاصل ہونے والے نفع میں جو کچھ خبث پید ہوا، وہ چونکہ بعض شرکاء کی اجازت نہ دینے کی وجہ سے پیدا ہوا اس لئے تصدق کرنے کی بنسبت یہ نفع انہی شرکاء کو دیدینا بہتر ہے۔

کفالہ کے ایک مسئلہ کے ضمن میں "ہدایہ" کے متن میں ہے:

وأحب إلي أن يرده على الذي قضاه الكر ولا يجب عليه في الحكم".[1]

مبسوط میں ہے:

وإن أجرها الحاضر، وأخذ الآخر حصة نصيبه من ذلك تطيب له، وحصة نصيب شركائه لا تطيب؛ لأنه بمنزلة الغاصب يؤاجر في حصتهم فلا يطيب له الأجر ولكنه يتصدق به؛ لأن ملكه حصل له بسبب خبيث، ويعطي ذلك شركاءه إن قدر عليهم؛ لأن تمكن الخبث كان لمراعاة حقهم فيرتفع بالرد عليهم.[1]

---

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الكفالة، ج٣ص ٩٣.

پانچویں صورت کا حکم

درجِ بالا تفصیل سے اس صورت کا حکم بھی واضح ہوا کہ تمام ورثاء کی اجازت ورضامندی حاصل کئے بغیر مشترکہ ترکہ میں کاروبار کرنا جائز نہ تھا اور اس سے جو نفع حاصل ہوا اس میں اپنے سرمایہ کے بقدر نفع تو حلال ہے باقی ورثاء کے سرمایہ کا نفع ملکِ خبیث ہے جس کو صدقہ کرنا واجب ہے اگر انہی ورثاء کو دیدیا جائے تو بھی درست ہے۔

بیوی کا شوہر کے ساتھ کاروبار میں شریک ہونا

عورت کے کاروبار کرنے کا حکم

اصل مسئلہ کے حکم سمجھنے سے پہلے بطورِ تمہید یہ سمجھ لینا چاہئے کہ شریعتِ مطہرہ نے عورت کو جو تقدس وبزرگی کا مقام عطا فرمایا ہے، اسی کی ایک جھلک یہ بھی ہے کہ عورت پر اصلاً کمائی وکاروبار کرنے کا بوجھ نہیں ڈالا، چنانچہ شادی سے پہلے اس کا تمام تر نان ونفقہ کی ذمہ داری باپ پر رکھی اور شادی کے بعد شوہر کو اس بات کا پابند بنایا کہ وہ حیاء وعزت کے ساتھ بیوی کے لئے نان ونفقہ اور رہن سہن کا مناسب انتظام کرے، عورت کا ازخود کمائی شرعاً بھی پسندیدہ نہیں اور عقلی ومعاشرتی لحاظ سے بھی کئی خرابیوں اور متعدد مفاسد کا پیشِ خیمہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے دورِ اقتدار میں عورت کے کاروبار کرنے کا کوئی رواج نہیں تھا اس لئے معاشرتی امن ومحبت کی فضاء عام تھی اور خاندانی نظام پورے

---

[1] المبسوط للسرخسي ،كتاب الشروط،ج٣٠ص ١٩٥.

عروج وترقی اور سکون واطمینان کے ساتھ رائج تھا پھر جب تہذیب مغرب نے اپنے غیر منصفانہ اور ناجائز مقاصد واہداف کو حاصل کرنے کے لئے مساواتِ مرد وزن کا معصومانہ نعرہ لگایا اور لوگ اس کے دامِ تزویر میں پھنس گئے اور خواتین نے بھی مسیحا سمجھ کر اس کی آڑ میں پناہ لینے کی کوشش کرنا شروع کیا، تو اب وہی نظام اخلاقی گراوٹ، نفسیاتی ومعاشی نقصانات، دینی اور سماجی طور پر انحطاط وتنزل کی تصویر بے نظیر بن چکا ہے۔

بہر حال عام حالات میں عورت کا باقاعدہ کاروبار میں حصہ لینا اور عملی طور پر کاروبار کرنا شرعاً بالکل پسندیدہ نہیں ہے، اگر کہیں مجبوری پیش آئے اور کوئی نان ونفقہ کا بوجھ برداشت کرنے والا نہ ہو تو ایسی صورت میں خواتین کے لئے بھی شرعی حدود کی رعایت رکھتے ہوئے جائز کاروبار کرنا درست ہے تاہم شرط یہ ہے کہ حیاء وپردہ کا بھرپور اہتمام کیا جائے اور غیر محرم کے ساتھ تنہائی وبے تکلفی سے مکمل طور پر اجتناب کیا جائے۔

میاں بیوی کے مشترکہ کاروبار کا حکم

بیوی شوہر کے ساتھ کاروبار میں یا تو مال دیکر شریک ہوگی یا اس کے ساتھ عمل ومحنت کرکے۔ دونوں صورتوں میں اگر تعاون وامداد کے طور پر شوہر کے ساتھ عمل کیا یا کچھ مال دیا جیسا کہ بعض علاقوں میں عموماً یہ رواج ہے، تو یہ اس کا شوہر کے ساتھ احسان وتبرع شمار ہوگا۔

اور اگر شرکت یا اجرت کے طور پر شوہر کو مال دیا یا اس کے ساتھ کاروبار میں کچھ محنت کرتی رہے تو اگر دونوں کے درمیان ابتدا میں شرکت یا اجارہ کا باقاعدہ عقد طے

پایا تھا، تو اب اسی معاہدہ کے مطابق نفع تقسیم ہوگا ورنہ تو اگر دونوں نے مال ملا کر کاروبار شروع کیا اور نفع وغیرہ کا کوئی تعین نہیں ہوا تو شرکتِ فاسدہ ہوگی۔

اگر اجرت کے طور پر کام کرتی رہے اور اجرت طے نہ کی ہو تو اجارہ فاسدہ ہے۔ ان آخری دونوں صورتوں میں اس فساد کا گناہ ہوا جس پر استغفار کرلینا چاہئے اور دونوں صورتوں میں انہی عقودِ فاسدہ کے احکام جاری ہوں گے جو پہلے بار بار تفصیل سے ذکر ہو چکے۔

اگر عمل کی تکییف میں میاں بیوی کا اختلاف ہو جائے کہ مثلاً بیوی دعویٰ کرے کہ میں اجرت کے لئے محنت کرتی رہی جبکہ شوہر تعاون کرنے کا مدعی ہو تو اس صورت میں اُسی ضابطہ سے کسی ایک جہت کو ترجیح دی جائے گی جو پہلے ذکر کیا جاچکا، اور اس کے مطابق کسی ایک پہلو کو ترجیح دینے کے مختلف قرائن میں سے ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ جہاں کہیں بیوی شوہر کے ساتھ اور اس کے عیال کے طور پر رہتی ہو اور کاروبار بھی ایک ہو اور بیوی کی طرف سے اس میں کوئی مال بھی شامل نہیں کیا گیا تو عموماً ایسی صورت میں بیوی شوہر کے ساتھ امداد و تعاون کے طور پر ہی محنت کرتی ہے، لہٰذا ان شرائط کے ہوتے ہوئے یہی سمجھا جائے گا کہ عورت کا عمل بطور تعاون تھا اور اس کے بدلے کوئی اجرت لازم نہیں ہوگی۔

اگر بیوی نے اپنے ذاتی مال سے کچھ کمایا مثلاً ٹوپیاں، قالین، کپڑوں کی سلائی کڑھائی، مختلف قسم کی طشتریاں وغیرہ بنا کر فروخت کرنے سے کچھ مال حاصل ہوا تو یہ اسی کی ذاتی ملکیت شمار ہوگی چاہے ابتداءً رقم میکہ کی طرف سے ملی ہو یا شوہر نے بطورِ تملیک کچھ دیا ہو، اسی طرح اگر کسی جائز ملازمت اختیار کرنے کے نتیجہ میں

بیوی نے کچھ مال حاصل کیا تو بھی وہ خاص اسی کی ملک قرار دی جائے گی اور شوہر کا اس میں کوئی استحقاق نہیں ہوگا۔

علامہ بزازی رحمہ اللہ فتاویٰ بزازیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

هذا إذا دفعه وأمرها بالحفظ أو بالوضع في البيت فغزلته صارت غاصبة وان دفعه ولم يقل شيئا فالغزل له لجريان العادة بأن الزوج إذا دفع لها قطنا تغزله لأجل الزوج فصار الغزل كخدمة البيت من الخبز والطبخ وهذا إذا لم يكن الزوج بائع القطن كما مر..وذكر شيخ الإسلام جلال الدين في أب وابن اكتسبا ولم يكن لهما مال فاجتمع لهما بالكسب أموال الكل للأب لأن الابن إذا كان في عياله فهو معين له في كل ما يكتسب ألا يرى أنه لو غرس شجرة فهي للأب وبه أفتى القاضي الإمام في زوجين سعيا وحصلا أموالا أنها له لأنها معينة له إلا إذا كان لها كسب على حدة فلها ذلك. ذكر ظهير الدين كان الزوج يدفع إليها ما يحتاج ويدفع إليها أحيانا دراهم تشترى بها قطنا وتغزل فاشترت وغزلت وباعت واشترت بها أمتعة فالأمتعة لها لأنها اشترت بلا توكيل الزوج ولو سماها عند الشراء أو علم عادة الزوج أنه اشترى لها ودفع إليها يكون لها..وفي الفتاوى امرأة معلمة يعينها الزوج أحياناً فالحاصل لها.. وفي التقاط السنبلة إذ التقطا فهو بينهما أنصافا والتفاوت ساقطة.

****

فصل سوم: مشترکہ خاندانی نظام میں زکوۃ وغیرہ مختلف عبادات سے متعلق احکام

زکوۃ وقربانی وغیرہ کا مسئلہ

مشترکہ خاندانی نظام کی ایک صورت تو کاروبار وتجارت میں شریک ہونے کی ہے جس کا حکم گزشتہ اوراق میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہوچکا،اس سے متعلق دوسرا بڑا مسئلہ جو ہمارے ہاں بکثرت پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ کاروبار ایک ہو یا مختلف، لیکن سب بھائی اپنی کمائی جمع کرکے مشترکہ طور پر گھر کے مصارف واخراجات برداشت کرتے رہتے ہیں،اگر والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہو تو تمام بھائی اسی کے پاس اپنی جمع پونجی جمع کرتے ہیں اور اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ کمزور وبے بس ہو جائیں تو افرادِ خانہ میں سے بڑے بھائی وغیرہ کسی کو سربراہ مقرر کرکے سب اسی کے پاس اپنی کمائی جمع کرتے رہتے ہیں، پھر والدین یا یہ سربراہ اس جمع پونجی سے پورے گھر کا نان ونفقہ،خوشی وغمی اور امراض ومصائب وغیرہ کے مصارف واخراجات پوری کرتا رہتا ہے۔

بعض جگہوں پر یہ سلسلہ صرف بھائیوں تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ چچازاد وغیرہ گھرانے ایک ہی کنبہ میں جمع ہوکر اسی طرح اکھٹے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس طرح اپنی کمائی جمع کرکے زندگی گزر بسر کرتے رہتے ہیں جس سے معاملہ میں مزید پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس تناظر میں یہ سوال بکثرت پیش آتا رہتا ہے کہ ایسے گھرانوں میں زکوۃ،

قربانی، صدقہ فطر اور حج وغیرہ عبادات کس کس پر اور کب لازم ہوں گی؟ اسی طرح مشترکہ کمائی سے جو کچھ ساز وسامان اور جائیداد ومکانات وغیرہ خریدے گئے، اس میں کس کے کتنے حصے ہوں گے؟ جدائی کے وقت جتنا سرمایہ، نقدی، کاروبار، ساز وسامان اور مکانات وجائیداد کی شکل میں موجود ہوں، اس میں کس کس کے اور کتنے حصے ہوں گے؟ یہاں اسی سے متعلق کچھ ضروری مسائل ذکر کرنا مقصود ہے۔

مخلوط کمائی کی وجہ سے زکوۃ وقربانی کا حکم

اگر کسی بھائی/شریک کے پاس ذاتی مال موجود ہو اور وہ نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو شرعی قواعد وضوابط کے مطابق اس پر زکوۃ بھی لازم ہوگی اور قربانی وصدقہ الفطر بھی۔ اسی طرح اگر یہ ذاتی مال اتنا ہو جس سے حج واجب ہو جاتا ہے تو حج بھی واجب ہو جائے گا، اگر کسی کے پاس ذاتی کمائی اس حد تک موجود نہ ہو بلکہ جو کچھ کماتا ہو، وہ والدین یا گھر کے سربراہ کے پاس جمع کرتا ہو جیسا کہ مخلوط خاندانی نظام میں عموماً رائج ہے تو سربراہ کے پاس اس طرح جو کچھ مال وحال جمع ہو جائے، کیا اس میں تمام کمانے والوں کا حصہ اور ان کی ملکیت برقرار رہے گی یا نہیں؟

اس کا دار مدار اس بات پر ہے کہ یہ کمائی کرنے والے افراد سربراہ کو رقم کس بنیاد پر دیتے ہیں؟ آیا اس کو مالک بنا کر دیدینا مقصود ہے یا مشترکہ گھر کے مصارف واخراجات نمٹانے کے لئے محض وکیل ونائب کی حیثیت سے دیتے ہیں؟

اگر تملیک کے طور پر اس کو مال دیتے ہوں تو دیتے ہی ان کی ملکیت زائل ہو گئی اور سربراہ قبض کرتے ہی اس کا مالک بنا، اور جب مالک وہ بنا تو ملکیت کے سارے

احکام بھی اسی پر عائد ہوں گے، لہٰذا زکوۃ، قربانی، صدقہ فطر اور حج کے احکام بھی اسی کی طرف متوجہ ہوں گے اور جدائی کے وقت تک اس طریقے سے جو کچھ مال وحال جمع ہوا وہ بھی اسی سربراہ کی ملکیت شمار ہو گی جس میں اصلاً کمانے والوں کا کوئی حصہ نہیں ہو گا البتہ صلہ رحمی، اور احسان شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ دیکر اس کو راضی کر دیا جائے، اخلاقی، سماجی اور معاشرتی اصول کا بھی یہی مقتضی ہے۔

اگر دینے سے مالک بنانا مقصود نہ تھا بلکہ محض نائب اور وکیل کی حیثیت سے مال دیا ہے تو اس صورت میں جس قدر مال سربراہ نے ابھی تک خرچ نہیں کیا، اس میں جس بھائی/شریک نے جس قدر مال دیا ہے اسی کے مطابق وہ حصہ دار ہو گا اور اس کے ملکیت کے احکام بھی اس پر عائد ہوں گے بشرطیکہ جو کچھ کمائی دی ہے وہ ان دینے والوں کی ذاتی ملکیت ہو، مشترکہ کاروبار کی آمدنی کے احکام پہلے تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکے ہیں۔

تملیک وتوکیل پہچاننے کا ضابطہ

رہا یہ سوال کہ یہ کیسے معلوم ہو گا کہ مال بطور تملیک دیا ہے یا برائے توکیل؟ تو واضح رہے کہ تملیک وتوکیل پہنچاننے کے دو ذرائع ہیں: ۱۔ دیتے وقت کسی ایک پہلو کی تصریح کی جائے۔ ۲۔ مختلف اطمینان بخش قرائن سے کسی ایک نوعیت کو ترجیح دی جائے۔

یہ تملیک چونکہ فقہی لحاظ سے ہبہ کے مترادف ہے لہٰذا تصریح کرنے سے مراد کوئی ایسا جملہ کہنا ہے جس سے ہبہ منعقد ہو جائے مثلاً یہ کہے کہ یہ رقم آپ کی ملک ہے، یہ مال آپ کا ہو گیا، یہ رقم آپ کی ہے اس سے جو چاہو کرو وغیرہ۔

یہ بھی واضح رہے کہ ہبہ کرنے کے لئے ہر وقت کوئی جملہ کہنا ہی ضروری نہیں بلکہ قرائن سے بھی ہبہ مکمل ہو جاتا ہے لہٰذا اگر کہیں زبانی طور پر کوئی ایسا جملہ استعمال نہ بھی ہو جائے لیکن اس بات کے قرائن موجود ہوں کہ دینے والا یہ مال بطورِ تملیک دے رہا ہے تو بھی اس کو ہبہ و تملیک ہی سمجھا جائے گا بشرطیکہ قرائن تسلی بخش ہوں جو کم از کم غالب گمان کا فائدہ دیں۔

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے یہ جزئیہ نقل فرمایا ہے کہ:

وفي خزانة الفتاوى: إذا دفع لابنه مالا فتصرف فيه الابن يكون للأب إلا إذا دلت دلالة التمليك بيري.

اس جزئیہ میں تملیک پر دلالت کرنے والے قرینے کو بھی ہبہ ہونے کے لئے کافی قرار دیا گیا، علامہ شامی رحمہ اللہ نے خود اس سے یہ ضابطہ اخذ فرمایا کہ ہبہ کے لئے ہر جگہ ایجاب وقبول وغیرہ الفاظ کہنا لازم نہیں بلکہ قرائن سے بھی اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے، آپ اس جزئیہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

قلت: فقد أفاد أن التلفظ بالإيجاب والقبول لا يشترط، بل تكفي القرائن الدالة على التمليك كمن دفع لفقير شيئا وقبضه، ولم يتلفظ واحد منهما بشيء، وكذا يقع في الهداية ونحوها فاحفظه، ومثله ما يدفعه لزوجته أو غيرها.[1]

---

[1] ردّ المحتار على الدر المختار، كتاب الهبة، ج٥ص ٦٨٨.

لہٰذا اگر کسی جگہ یہ عام عرف ہو کہ اولاد اپنے جمع پونجی والدین یا بڑے بھائی کو بطور تملیک دیتے ہوں تو وہاں اگر کوئی زبانی تملیک ہونے کی تصریح نہ بھی کرے تو بھی اس عرفِ عام کا قرینہ کافی ہے اور اس کی بنیاد پر اس کو تملیک ہی قرار دیا جائے گا جبکہ دیتے وقت توکیل کی صراحت نہ کرے۔

ایک شریک کا دوسرے کی طرف سے زکوۃ و قربانی کرنے کا حکم

زکوۃ، قربانی اور صدقہ فطر وغیرہ ایسی عبادات ہیں جو ہر شخص پر انفرادی نوعیت کے مطابق لازم ہوتے ہیں، لہٰذا اگر کسی شخص پر شرعی ضابطہ کے مطابق ان میں سے کوئی عبادت واجب ہوئی تو اس کی ذمہ داری ہے کہ خود یہ عبادت سرانجام دے یا اپنی طرف سے کسی کو اس کام کے لئے وکیل بنا کر یہ کام کروائے، اگر اس کی اجازت/حکم کے بغیر کسی نے اس کی طرف سے زکوۃ دیدی یا قربانی کا جانور ذبح کیا، تو اس کا ذمہ فارغ نہیں ہوگا، لیکن دیگر بہت سے مسائل کی طرح اس باب میں بھی صراحت کے ساتھ کسی کو اس کام کے لئے وکیل مقرر کرنا لازم نہیں ہے بلکہ دلالۃً ایسا کرنا بھی کافی ہے، چنانچہ اگر کسی گھرانے میں یہ معمول ہو کہ گھر کا سربراہ گھر کے تمام صاحبِ نصاب افراد کی طرف سے قربانی کرتا ہے تو یہاں ان افراد کا صراحت کے ساتھ سربراہ کو ہر بار قربانی کا وکیل بنانا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر یوں ہی وہ تمام افراد کی طرف سے مستقل قربانی کرے تو ان کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

وليس على الرجل أن يضحي عن أولاده الكبار و امرأته إلا بإذنهم

وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه يجوز بغير أمرهم استحسانا.[١]

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولو ضحى عن أولاده الكبار وزوجته لا يجوز إلا بإذنهم. وعن الثاني أنه يجوز استحسانا بلا إذنهم بزازية. قال في الذخيرة: ولعله ذهب إلى أن العادة إذا جرت من الأب في كل سنة صار كالإذن منهم، فإن كان على هذا الوجه فما استحسنه أبو يوسف مستحسن.[٢]

البتہ زکوۃ کے متعلق فقہاء کرام نے یہ استثناء بھی ذکر فرمایا ہیں کہ اگر کسی کی اجازت کے بغیر اس کا مال زکوۃ کے طور پر دی جائے تو جب تک وہ مال فقیر کے ہاتھ موجود ہے ،اس وقت مالک اس میں زکوۃ کی نیت کر سکتا ہے اور اس سے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

رجل أدى زكاة غيره عن مال ذلك الغير فأجازه المالك فإن كان المال قائما في يد الفقير جاز، وإلا فلا كذا في السراجية.[٣]

****

[١] (فتاوى قاضيخان، كتاب الأضحية، ج٣ص٢٠٥).

[٢] رد المحتار على الدر المختار، كتاب الأضحية، ج٦ص ٣١٥.

[٣] الفتاوى الهندية ،كتاب الزكاة، الباب الاول، ج١ص ١٧١.

فصلِ چہارم:

مشترکہ چیزوں کو استعمال کرنے اور مشترکہ اخراجات سے متعلق مسائل

مشترک چیز کو استعمال کرنے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام

مشترک خاندان میں اکثر چیزیں عموماً مشترک ہوا کرتی ہیں اور یہ شرکت بھی باقاعدہ کسی عقد کے نتیجہ میں نہیں آتی، اس لئے یہ شرکتِ ملک ہے، شرکتِ ملک کا حکم یہ ہے کہ یہ وکالت کو متضمن نہیں ہوتی اس لئے ایک شریک دوسرے شریک کے حصہ میں بالکل اجنبی کی طرح تصور ہوگا کیونکہ کسی چیز کے استعمال کرنے کی شرعاً دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو وہ چیز اپنی ملکیت میں ہو یا کسی شرعی بنیاد پر اس کو استعمال کرنے کی ولایت واستحقاق حاصل ہو، جیسے وکالت، ولایت یا اباحتِ عامہ وغیرہ، اور یہاں یہ دونوں باتیں موجود نہیں۔

"بدائع الصنائع" میں ہے:

فأما شركة الأملاك فحكمها في النوعين جميعا واحد، وهو أن كل واحد من الشريكين كأنه أجنبي في نصيب صاحبه، لا يجوز له التصرف فيه بغير إذنه لأن المطلق للتصرف الملك أو الولاية ولا لكل واحد منهما في نصيب صاحبه ولاية بالوكالة أو القرابة؛ ولم يوجد شيء من ذلك وسواء كانت الشركة في العين أو الدين لما

قلنا.[1]

"بحر" میں ہے:

قوله (: وكل أجنبي في قسط صاحبه) أي وكل واحد من الشريكين ممنوع من التصرف في نصيب صاحبه لغير الشريك إلا بإذنه لعدم تضمنها الوكالة.[2]

اس تناظر میں مشترک چیز استعمال کرنے کی مختلف صورتیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ شریک کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً استعمال کرنے کی اجازت ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔

۲۔ اگر غائب شریک کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً ممانعت ہو تو دوسرے شریک کے لئے اس کا حصہ استعمال کرنا ناجائز ہے۔

۳۔ غائب شریک نے صراحۃً اجازت نہیں دی لیکن مشترکہ چیز ایسی ہے کہ اس کا استعمال نہ کرنا مضر ہو، مثلاً استعمال نہ کرنے سے وہ چیز خراب ہو جاتی ہو، تو بھی دلالۃً استعمال کرنے کی اجازت سمجھی جائیگی۔

۴۔ اگر مشترکہ چیز ایسی ہے کہ اس کا طریقہ استعمال مختلف ہے، تو کسی ایک شریک کا دوسرے کی صریح اجازت کے بغیر ایسی چیز کو استعمال کرنا درست نہیں ہے، اور اگر وہ چیز ایسی ہو کہ عموماً اس کا استعمال ایک جیسا ہو تو ایک شریک دوسرے کی عدم موجودگی میں اس کی صریح رضامندی کے بغیر بھی اپنے حصہ کے بقدر

---

[1] بدائع الصنائع، كتاب الشّركة، ج٦ص ٦٥.

[2] البحر الرائق، كتاب الشركة، ج٥ص ١٨٠.

استعمال کر سکتا ہے جبکہ اس کے خلاف کوئی راجح قرینہ موجود نہ ہو، پہلی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ گویا ہر شریک کی جانب سے دوسرے کو استعمال کرنے کی دلالۃً اجازت دی گئی ہے جبکہ دوسری صورت میں ایسا نہیں ہے۔

"مجلہ" میں ہے:

يعدّ الغائب راضيا عن انتفاع الشريك الحاضر بالملك المشترك على وجه غير مضر بالغائب. لا يوجد رضاء من الغائب دلالة في الانتفاع بالملك المشترك الذي يختلف باختلاف المستعملين. بناء عليه ليس لأحد صاحبي الثياب المشتركة لبسها في غياب الآخر.[1]

اس کی شرح میں ہے:

وهذا الرضاء هو من قبيل الرضاء دلالة.[2]

۵۔اگر مشترکہ چیز ایسی ہے جس کو تقسیم کیا جاسکتا ہے نہ ہی کوئی ایک فریق اپنا حصہ الگ طور سے استعمال کر سکتا ہے مثلاً استری، کپڑے دھلائی کی مشین وغیرہ، ان جیسی چیزوں میں اگر کوئی ایک فریق دوسرے کو اپنے حصہ استعمال کرنے کی اجازت نہ دے تو ظاہر ہے کہ چیز یوں ہی بیکار پڑی رہے گی اور دونوں کا مقصود حاصل نہیں ہوگا، اس لئے باہمی اتفاق کے ساتھ کوئی صلح صفائی کی صورت اختیار کرنی چاہئے کہ مثلاً کوئی ایک فریق اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے، ورنہ تو ایک شریک کے مطالبہ قاضی، متفقہ جرگہ یا مصالحتی کمیٹی دونوں کو مہایات یعنی

---

[1] مجلة الأحكام العدلية،رقم المادة:٩ ٧ ١٠ و١٠٨٠ص:٢٠٧.

[2] درر الحكام في شرح مجلة الأحكام ، شرح المادة المذكورة، ج٣ص٣٦.

نوبت بنوبت استعمال کرنے پر بھی مجبور کر سکتے ہیں۔

"در مختار" میں ہے:

والأصح أن القاضي يهايئ بينهما جبرا بطلب أحدهما.[1]

"بنایہ" میں ہے:

قال في "شرح الأقطع": قال أصحابنا: إن المهايأة في المنافع المشتركة عقد جائز واجب إذا طلب أحد الشركاء.[2]

دوسرے شریک کی چیز استعمال کرنا

مشترکہ گھرانے میں وہ چیزیں جن میں خصوصی طور پر شرکت برقرار نہ ہو بلکہ کسی ایک فرد نے ذاتی کمائی سے خریدی، یا کسی دوست نے اس کو ہبہ کے طور پر کچھ دیا، یا مشترکہ ترکہ میں سے کچھ چیزوں کو تقسیم کیا گیا اور تمام شرکاء کے حصہ متعین کئے گئے وغیرہ، ان تمام صورتوں میں کوئی فرد دوسرے کی چیز استعمال نہیں کر سکتا، البتہ اگر اس کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً استعمال کرنے کی اجازت ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔

"مجلہ" میں ہے:

لا يجوز للحاضر أن يسكن في حصة الغائب في الدار المشتركة إذا كانت حصصهما مفرزة عن بعضها لكن إذا خيف خرابها من عدم السكنى فالقاضي يؤجر هذه الحصة المفرزة ويحفظ أجرتها

---

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين كتاب القسمة، ج٦ص٢٦٩.

[2] البناية شرح الهداية، كتاب القسمة، فصل في المهايأة، ج١١ص ٤٦٢.

للغائب.[1]

لہٰذا اگر کوئی شریک ایسی کسی چیز کو اپنے استعمال کے لئے مخصوص رکھنا چاہتا ہے خواہ اس کی صراحت کرے یا دیگر قرائن سے معلوم ہو جائے کہ دوسرے افراد کے استعمال کرنے پر وہ دل سے راضی نہیں ہوتا تو ایسی چیزوں کو مالک کی صاف صریح اجازت کے بغیر استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے بلکہ اگر وہ صراحۃً استعمال کرنے اجازت بھی دیدے لیکن استعمال کرنے والے کو معلوم ہے کہ محض دباؤ کی وجہ سے، شرماشرمی یا لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کی خاطر اجازت دے رہا ہے تو بھی اس کو استعمال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ کسی مسلمان کی دلی رضامندی کے بغیر اس کا مال استعمال کرنا شرعاً حلال نہیں ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ دو روایات نقل فرمائی کہ:

عن أبي حميد الساعدي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:"لا يحل لامرئ أن يأخذ عصا أخيه بغير طيب نفسه، وذلك لشدة ما حرم الله عز وجل مال المسلم على المسلم"...عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه ".[2]

---

[1] مجلة الأحكام العدلية،رقم المادة: ١٠٨٢ص:٢٠٨)

[2] السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب،باب من غصب لوحا فأدخله في سفينة، ج٦ص١٦٦.

اجازت لینے میں ایک کوتاہی

یاد رہے کہ اجازت وہی معتبر ہے جو مالک کی طرف سے ہو اور دل سے ہو، لہٰذا مالک کے علاوہ دیگر افراد کی اجازت دینے کا اعتبار نہیں ہے الاّ یہ کہ مالک کی جانب سے کسی کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ اس کی چیز دوسرے کو بھی استعمال کرنے کے لئے دے سکے، مثلاً زید کی کوئی چیز ہے، اس کا بھائی عمر اس چیز کو استعمال کرنا چاہتا ہے تو خود زید کی اجازت یا رضامندی سے استعمال کرے، زید کی بیوی یا اس کے بیٹوں کی اجازت ضابطہ کے لحاظ سے کافی نہیں ہے البتہ اگر زید نے اپنی بیوی بچوں کو اس حد تک خود مختار بنایا ہو کہ وہ اس کی چیز میں اس قسم کے تصرفات کر سکتے ہوں تو اس صورت میں بیوی بچوں کی اجازت بھی کافی ہے۔

اس سلسلہ میں بعض اوقات یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ چیز ہوتی ایک کی ہے اور استعمال کرنے کی اجازت دوسرا دیتا ہے، مثلاً گھر کے سربراہ کی طرف سے ایک شخص کی چیز دوسرا استعمال کرتا ہے، یا مثلاً شوہر کی اجازت سے اس کی بیوی کے جہیز وغیرہ کا سامان مشترکہ طور پر استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ بسا اوقات وہ اس پر راضی نہیں ہوتی اور مالک کی رضامندی کے بغیر اس کی چیز استعمال کرنا جائز نہیں ہے لہٰذا اس باب میں احتیاط کی ضرورت ہے، ایک چار دیواری کے اندر رہنے کا مطلب یہ بالکل نہیں ہے کہ ہر شخص کے لئے دوسرے کی تمام چیزیں مباح ہیں بلکہ شرعی حدود و قیود کی پابندی کرنا لازم ہے۔

سننِ بیہقی کی مندرجہ بالا روایت پھر ملاحظہ ہو:

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه

وسلم قال: " لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه ".[1]

مشترکہ چیز کے ضائع کرنے پر تاوان کی صورتیں

مخلوط خاندانی نظام میں سب یا اکثر چیزیں تمام شرکاء کے درمیان شرکۃ الملک کے طور پر شریک ہوتی ہیں اور شرکت الملک کا حکم پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اس میں کوئی شریک خود بخود دوسرے کا وکیل نہیں ہوتا بلکہ مشترکہ چیز میں سے دوسرے شریک کے حصہ کی حیثیت ودیعت کی طرح ہے جس کو عام حالات میں استعمال کرنا جائز نہیں، اگر مالک کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً استعمال کرنے کی اجازت ہو تو پھر استعمال کرنا جائز ہے۔

استعمال کرنے کی اجازت مل جانے کے بعد اس چیز کی حیثیت عاریت کی ہو جائے گی اور عاریت کی چیز کو استعمال کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ مالک کی طرف سے جن قیود و شرائط کے ساتھ استعمال کرنے کی اجازت ملے، انہی شرائط کے تحت چیز استعمال کی جائے اگر اس کی خلاف ورزی کرے گا تو خیانت شمار ہو گی جو ناجائز بھی ہے اور ہلاکت یا نقصان کی صورت میں ضمان بھی لازم ہو گا، البتہ اگر وہ خود شرائط و قیود ناجائز ہوں یا غیر مفید ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔

اگر مالک کی طرف سے کسی قید و بند کے بغیر چیز استعمال کرنے کی اجازت ملے تو بھی عام عادت و معمول کے مطابق استعمال کرنے کی اجازت ہے، عام معمول کے

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحا فأدخله في سفينة، ج٦ ص١٦٦.

خلاف استعمال کرنا درست نہیں، اور اگر اس طرح استعمال کرنے کی وجہ سے وہ چیز ہلاک ہو جائے یا اس میں کوئی نقصان و خرابی پیدا ہو جائے تو استعمال کرنے والے پر اس کا ضمان لازم ہے، اگر مالک خوشدلی سے معاف کرے تو دوسری بات ہے، اس لئے مشترکہ چیزوں کے استعمال کرنے میں خاصی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔

"تحفۃ الفقہاء" میں ہے:

ثم العارية قد تكون مطلقة وقد تكون مقيدة فالمطلقة أن يستعير شيئا ولم يبين أنه يستعمله بنفسه أو بغيره ولم يبين كيفية الاستعمال. وحكمها أنه ينزل منزلة المالك فكل ما ينتفع به المالك ينتفع به المستعير من الركوب والحمل وله أن يركب غيره ولكن يحمل بقدر المعتاد لا زيادة عليه لأن الزيادة تكون إتلافا. فأما إذا بين أنه يستعمل بنفسه فهذا على وجهين إن كان مما يتفاوت الناس في استعماله كالركوب واللبس فإنه يختص به ولا يجوز له أن يركب غيره وأن يلبس غيره،وإن كان شيئا لا يتفاوت كسكنى الدار فله أن يعير غيره. وكذا إذا سمي وقتا أو مكانا فجاوز ذلك المكان أو زاد على الوقت يضمن لأن التخصيص مفيد.[1]

امام سرخسی رحمہ اللہ کی "المبسوط" میں ہے:

وإذا جاوز المكان الذي سمي له وأخذ إلى مكان غير ذلك فعطبت فهو ضامن لها؛ لأنه استعملها بغير إذن صاحبها، فالتقييد من صاحبها هنا مفيد؛ لأن الضرر على الدابة يختلف بقرب الطريق

---

[1] تحفة الفقهاء، كتاب العارية، ج٣ص ١٧٨.

وبعده، والسهولة والوعورة. وإن استعارها ليحمل كذا وكذا ثوبا هرويا فحمل عليها مثل ذلك مرويا أو فوهيا أو نرمقا لم يضمن؛ لأن التقييد بالهروي غير مفيد، فإن سائر أجناس الثياب كالهروي في الضرر على الدابة. وكذلك في الوزنيات من الأدهان وغيرها كل تقييد يكون مفيدا فهو معتبر، وإذا خالف ذلك كان ضامنا، وما لا يكون مفيدا لا يعتبر.[1]

مشترکہ مقاصد کی خاطر لئے ہوئے قرضہ جات کا حکم

مشترکہ گھر میں اگر کسی نے اپنے ذاتی مقاصد کے لئے قرضہ لیا تو قرض کی ادائیگی کا ذمہ دار بھی وہی ہوگا اگر مشترکہ امور کے لئے کسی ایک شریک نے قرضہ لیا مثلاً والدین میں سے کوئی ایک بیمار ہوا اور فوری علاج کے لئے خطیر رقم درکار ہے جو گھر میں موجود نہیں، اس لئے ایک بھائی نے بڑھ کر اپنی وساطت سے کسی سے قرضہ لیا، یا مثلاً گھر میں مزید کچھ تعمیر کرنے کی ضرورت ہے اور رقم موجود نہ ہو اس کے لئے کوئی ایک بھائی قرضہ لے لے وغیرہ۔

اس طرح قرض لینے کا حکم یہ ہے کہ اصلاً جس نے قرض لیا وہی مقروض شمار ہوگا اور قرض دہندہ اسی سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے گا، دوسرے شرکاء پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی اگرچہ خود انہوں نے ہی قرض لینے کا مشورہ یا حکم دیا ہو کیونکہ قرض لینے کے لئے کسی کو وکیل بنانا درست نہیں اور اس وکالت کا بھی اعتبار نہیں، لہٰذا قرض وصول کرنے والا وکیل ہی اصلاً قرض کا ضامن ہوگا البتہ وکیل بنانے کے

---

[1] المبسوط للسرخسي، كتاب العارية، ج١١ص١٣٩.

بجائے کسی کو پیغام رسا بنایا جائے اور اس طرح وہ قرضہ وصول کرے تو اس صورت میں پیغام پہنچانے والا ضامن نہیں ہو گا بلکہ جس نے بھیجا ہے اور جس کے نام پر قرض لیا جائے وہی مقروض شمار ہو گا۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

الوكيل بالاستقراض من رجل معين إذا استقرض أن قال الوكيل للمقرض على وجه الرسالة أن فلانا يقول لك أقرضني كذا كان القرض للموكل وأن لم يقل الوكيل ذلك واستقرض كان القرض على الوكيل.[1]

شرکاء پر مشترکہ قرضہ کے رجوع کرنے کا حکم

لہٰذا قرض دہندہ تو اسی سے اپنا قرض وصول کر سکتا ہے جس کو قرض دیا تھا، رہا یہ سوال کہ اگر کوئی ایک شریک اس طرح مشترکہ مقاصد کے لئے بھاری بھر قرضہ لے لے تو کیا صرف وہی اس کا ذمہ دار ہو گا یا دیگر شرکاء سے بھی کچھ وصول کر سکتا ہے؟ یہ سوال ہمارے اس زمانے میں مزید اہمیت کا حامل اس لئے ہے کہ آج کل علاج و معالجہ، خوشی و غمی اور ناگہانی مصائب و آفات کے اخراجات بسا اوقات اتنے زیادہ ہو جاتے ہیں کہ وہ اکیلے ایک فرد کی استطاعت سے باہر ہوتے ہیں اور اس کے لئے فوری رقم مہیا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، نیز احسان و تبرع کے جذبات بھی پہلے کے مقابلے میں بہت کم ہیں، اب اگر صرف قرض لینے والے فرد پر ہی اس خطیر رقم کو ادا کر دینے کی ذمہ داری ڈالدی جائے تو ایک طرف تو ایسا اقدام بہت سے

---

[1] فتاوى قاضيخان، باب الصرف، ج٢ص ١٢٦.

مشکلات و معاشرتی ناہمواریوں کا ذریعہ بن جاتا ہے ساتھ یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ اگر ایسا فیصلہ کیا جائے تو آئندہ کوئی قرض لینے پر آمادہ نہیں ہو سکے گا۔

فقہی لحاظ سے اس کا دار مدار اس بات پر ہے کہ قرض کن مقاصد کے لئے لیا گیا؟ اور کہاں خرچ ہوا؟ اگر مشترکہ مقاصد کے لئے قرض لینے کی ضرورت پڑی تو دیکھنا یہ ہے کہ یہ مقاصد اضطراری درجہ کے تھے یا نہیں؟

اگر اضطراری درجہ کے مقاصد نہیں تھے اور قرض لینے والے نے دیگر شرکاءِ کار کے ذمہ داری اٹھانے سے پہلے ہی ان کی اجازت کے بغیر استعمال کئے تو یہ اس کی طرف سے تبرع شمار ہوگا جس کا دیگر شرکاء پر رجوع نہیں کر سکتا، اور اگر اضطراری درجہ کے اخراجات کے لئے قرضہ لیا ہے تو اگر اس میں دیگر شرکاء کو مجبور کیا جا سکتا تھا تو خرچہ کرنے سے پہلے ان کو مجبور کرنا ضروری ہے ورنہ تو تبرع واحسان شمار ہوگا، اور اگر اخراجات بھی اضطراری نوعیت کے ہوں اور ان پر مجبور کرنا ممکن نہ تھا جس کی تفصیل پہلے گزر گئی تو اس میں رجوع کر سکتا ہے، پھر اگر قاضی اور خود اس شریک کی اجازت کے بغیر ایسا کیا گیا جیسا کہ عموماً ہوتا ہے، تو کئے گئے خرچہ کے تناسب سے نہیں، بلکہ اصل قیمت کے تناسب سے شریک پر رجوع کرے گا۔

والذي تحصل في هذا المحل أن الشريك إذا لم يضطر إلى العمارة مع شريكه بأن أمكنه القسمة فأنفق بلا إذنه فهو متبرع، وإن اضطر وكان الشريك يجبر على العمل معه فلا بد من إذنه أو أمر القاضي فيرجع بما أنفق، وإلا فهو متبرع وإن اضطر وكان شريكه لا يجبر، فإن أنفق بإذنه أو بأمر القاضي رجع بما أنفق أولا فبالقيمة.

لہٰذا احتیاط کی بات یہی ہے کہ قرض لینے کے بعد خرچ کرنے سے پہلے تمام شرکاء کے سامنے معاملہ کو واضح کر دیا جائے اور جب وہ ذمہ داری اٹھانے پر راضی ہو جائیں تبھی اس رقم کو استعمال کیا جائے۔

مشترکہ مال میں سے خریداری کرنے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام

مشترکہ گھرانوں میں یہ صورت بھی بکثرت پیش آتی ہے کہ شرکاء والدین یا مثلاً بڑے بھائی کے پاس اپنی آمدنی جمع کرتے رہتے ہیں، سربراہ اس رقم سے گھریلو اخراجات بھی پوری کرتا رہتا ہے اور کچھ رقم بچت بچت کر کے جمع کرتا رہتا ہے، پھر اس سے زمین، دکان و مکان وغیرہ خریدتا ہے، اب یہ زمین صرف خریدنے والے کی ہوگی یا دیگر شرکاء کا بھی اس میں حصہ ہوگا؟

اس میں یہ تفصیل ہے کہ:

۱۔ اگر سربراہ کے پاس کمانے والوں نے یہ رقم بطورِ تملیک جمع کی تھی تو خریدی ہوئی ساری چیزیں اسی کی ملک ہوگی، اگر وہ ان اشیاء کو کسی خاص شریک کے نام کرنا چاہتا ہے یا کمانے والے بیٹوں کو منتقل کرنا چاہتا ہے تو ایسا کرنا شرعاً ہبہ ہے جس کے تام و مکمل ہونے کے لئے قبضہ وغیرہ تمام ضروری شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، ان شرائط کے بغیر اگر کسی کے نام منتقل کیا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور اسی حالت میں انتقال ہوا تو یہ ساری چیزیں باقاعدہ اس کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام شرعی ورثاء میں اپنے اپنے مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم ہوگی۔

۲۔ اگر کمانے والے افراد نے رقم تملیک کے طور پر نہیں دی بلکہ محض توکیل کے طور پر دی، تو اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: اس نے اس رقم سے اپنے لئے کوئی چیز خریدی۔

ب: جنہوں نے رقم دی، انہی کے لئے خریدی۔

پہلی صورت میں ان پیسوں سے دینے والوں کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز خریدنا شرعاً ناجائز تھا، لیکن خریداری چونکہ خود سببِ ملک ہے اس لئے وہ مالک ہو جائے گا، اب امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق تو یہ زمین اس کی ملک ہے اور وہ اس کو استعمال کر سکتا ہے البتہ کمانے والے شرکاء میں سے جس جس کا جس قدر روپیہ اس خریداری میں خرچ کیا وہ ان کو واپس کر دینا لازم ہے کیونکہ ان کے نزدیک جب تک حرام مال کو متعین کر کے اور پھر عملی طور پر اس کو دیکر خریداری نہ کی جائے تو خریدی ہوئی چیز میں خبث نہیں آتا اور ہمارے ہاں عموماً کوئی خریداری سے پہلے رقم متعین نہیں کرتا، جبکہ دیگر فقہاء کرام کے نزدیک اس کا حکم ملکِ خبیث کا ہے، علامہ کاسانی اور علامہ مرغینانی، ملا خسرو رحمہم اللہ وغیرہ کئی فقہاء کرام نے اسی قول کو ترجیح دی ہیں اور فقہی لحاظ سے بھی یہی قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

صاحبِ ہدایہ امام کرخی رحمہ اللہ کا قول ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وقال بعض مشايخنا رحمهم الله: لا يطيب له قبل أن يضمن، وكذا بعد الضمان بكل حال، وهو المختار لإطلاق الجواب في الجامعين والمبسوط.[1]

"بدائع الصنائع" میں ہے:

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الغصب، ج٤ص ٢٩٩.

وإطلاق الجواب في الجامعين والمضاربة دليل صحة هذا القول، ومن مشايخنا من اختار الفتوى في زماننا بقول الكرخي تيسيرا للأمر على الناس لازدحام الحرام، وجواب الكتب أقرب إلى التنزه والاحتياط، والله تعالى أعلم.[1]

اس مسئلہ کی دوسری صورت یہ تھی کہ رقم جمع کرنے والوں کے لئے اس رقم سے کوئی چیز مثلاً زمین خریدے، اس میں اگر خریداری سے پہلے ان کی اجازت لی جائے یا خریداری کرنے کے بعد وہ اس کو نافذ کریں تو زمین ان کے درمیان رقم کے تناسب سے مشترک ہوگی، اور اگر انہوں نے اجازت نہیں دی تو یہ بیع فضولی ہے جو ان کمانے والے افراد کی اجازت ورضامندی پر موقوف ہے، ان کو اختیار ہے کہ خریداری کے اس عقد کو نافذ کریں یا ختم کریں۔

مشترکہ اخراجات میں رجوع کرنے کا حکم

مشترکہ خاندانی نظام میں مشترکہ اخراجات کا مسئلہ بھی بکثرت باعثِ نزاع بن جاتا ہے، کوئی ایک شریک ہنگامی طور پر پورے گھرانے کی ضروریات ومصالح میں خرچ کرتا ہے پھر اس کے وصول کرنے میں اختلاف ہو جاتا ہے، اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ:

ا۔ کوئی شریک دوسرے شرکاء کے بتائے بغیر ایسا خرچہ کرے جو ضرورت واضطرار کی نوعیت کا نہ ہو، تو وہ اس کی طرف سے تبرّع واحسان شمار ہوگا اور اس میں دوسرے ورثاء پر رجوع کرنے کا حق نہیں۔

---

[1] بدائع الصنائع، كتاب الغصب، ج٧ص١٥٥.

۲۔اگر خرچہ اضطراری نوعیت کا ہے تو اگر دوسرے ورثاء کو اپنے ساتھ خرچہ میں شریک ہونے پر مجبور کر سکتا تھا مثلاً قاضی یا متفقہ جرگہ وغیرہ کی وساطت سے اس کو پابند بنایا جاسکتا ہو تو ایسی صورت میں انہی ممکنہ ذرائع سے اس کو مجبور کرنا ضروری ہے، اگر مجبور کئے بغیر دوسرے شریک نے خرچہ برداشت کیا تو یہ بھی اس کی طرف سے تبرّع واحسان شمار ہوگا جس کے وصول کرنے کا اس کو استحقاق نہیں۔

۳۔ خرچہ اضطراری نوعیت کا ہو لیکن کوئی ایک شریک دوسرے کو اپنے ساتھ خرچہ برداشت کرنے پر مجبور نہ کر سکتا ہو، اس صورت میں اوّلاً تو جو شریک خرچہ برداشت کرنے سے اعراض کرتا ہو، اس کو راضی کر دیا جائے اور خرچہ میں شریک ہونے کے لئے اس کو تیار کیا جائے، اگر باہمی رضامندی سے ایسا ہو جائے تو بہت اچھا، ورنہ تو اس کے بغیر ہی ایک شریک خرچہ کر کے مشترکہ ضرورت کو پورا کرے اور پھر دوسرے شریک پر اس کے حصہ کی تک رجوع کرے۔

مثلاً اگر مشترکہ ناقابل تقسیم دیوار ہے جس کی سردست مرمت ضروری ہے ورنہ گرنے کا خدشہ ہے اور ایک شریک خرچہ کرنے پر راضی نہیں تو ایسی صورت میں دوسرا شریک یہ خرچہ برداشت کرے اور حسبِ ضرورت مرمت کر کے دیوار کو درست کرے ،بعد میں دوسرے شریک سے اس کے حصہ کی حد تک قیمت وصول کرے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ مختلف جزئیات کی تنقیح وتہذیب کے بعد یہ ضابطہ تحریر فرماتے ہیں:

والذي تحصل في هذا المحل أن الشريك إذا لم يضطر إلى العمارة

مع شريكه بأن أمكنه القسمة فأنفق بلا إذنه فهو متبرع، وإن اضطر وكان الشريك يجبر على العمل معه فلا بد من إذنه أو أمر القاضي فيرجع بما أنفق، وإلا فهو متبرع وإن اضطر وكان شريكه لا يجبر، فإن أنفق بإذنه أو بأمر القاضي رجع بما أنفق أو لا فبالقيمة.[١]

کن کن مصارف میں شرکاء کو مجبور کیا جاسکتا ہے؟

رہا یہ سوال کہ ایک شریک دوسرے کو کہاں مشترکہ خرچے میں شریک ہونے پر مجبور کر سکتا ہے اور کہاں ایسا جبر نہیں کر سکتا؟ تو اس میں اصولی بات یہ ہے کہ:

۱۔ جو شخص شرعاً مجبور نہ ہو، اس کو اپنی کسی چیز کی اصلاح و درستگی کرنے اور اس کی خاطر اخراجات برداشت کرنے پر قضاءً مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ اگر اس کے ساتھ کسی دوسرے شریک کا حق وابستہ ہو جائے اور اصلاح و درستگی نہ کرنے کی وجہ سے پوری چیز کے خراب ہونے یا اس کو شدید نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو لیکن اس کے باجود کوئی ایک شریک اخراجات برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوتا ہو تو ایسی صورت میں بھی اس کو مجبور کرنے کے بجائے اس چیز کو تقسیم کر دیا جائے گا، تقسیم کرنے کے بعد دونوں کو اختیار ہے کہ اپنی چیز کے بقاء و تحفظ کا خیال رکھے یا یوں ہی ضائع ہونے دے۔

---

[١] حاشية ابن عابدين على الدر المختار، كتاب الشركة، باب الشركة الفاسدة، ج٤ص٣٣٤.

۳۔ لیکن اگر یہی صورتِ حال ہو اور مشترکہ چیز بھی ایسی ہو کہ ناقابلِ تقسیم ہو تو ایسی صورت میں انکار کرنے والے شریک کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ بقدرِ ضرورت مشترکہ خرچہ برداشت کرے۔

اس ضابطہ کی روشنی میں تین صورتیں ایسی ہیں جہاں شرکاء کو مجبور کیا جاسکتا ہے:

الف: وصی: یتیم بچوں کا نگران وسرپرست۔ وصی چونکہ یتیم کے مصالح ومفاد کے تحفظ کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی چیز مثلاً عمارت یتیم بچے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہے اور عمارت کی مرمت کرنا ضروری ہو، اب دوسرا شریک تو مرمت کرنا چاہتا ہے لیکن وصی اعراض کرتا ہے، ایسی صورت میں وصی کو مجبور کیا جائے گا کیونکہ مرمت نہ کرنے میں یتیم کا واضح نقصان ہے اور وصی اپنے ذاتی معاملات میں اپنے سر تو نقصان برداشت کرسکتا ہے لیکن یتیم کے معاملات میں وہ اس کا مجاز نہیں۔

ب: وقف کا متولی: وصی کی طرح اوقاف کا متولی بھی متعلقہ وقف کے مصالح کے تحفظ کا پابند ہے لہٰذا جہاں کوئی چیز وقف کے ساتھ کسی کا مشترک ہو اور اس پر خرچہ کرنے کی ضرورت ہو، نہ کرنے میں وقف کا خسارہ ہو تو ایسی صورت میں متولی کو بقدرِ ضرورت خرچہ میں وقف کے حصہ کے مطابق شریک ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔

ج: دو یا زیادہ افراد کے درمیان کوئی چیز مشترک ہے اور وہ ایسی خستہ حال ہے کہ اگر ابھی اس کی اصلاح ومرمت نہیں کی گئی تو بالکل ختم یا بری طرح خراب

ہو جائے گی، ایسی صورت میں اگر سب شرکاء اصلاح ومرمت کے اخراجات برداشت کرنے پر راضی ہیں تو بہت اچھا، ورنہ تو اس چیز کو تقسیم کر دیا جائے گا اور اس کے بعد ہر مالک کا اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز کی اصلاح کرے یا یوں ہی چھوڑ دے، لیکن اگر چیز بالکل ناقابلِ تقسیم ہے تو ایسی صورت میں اس کو مجبور کیا جائے گا کہ دوسرے شرکاء کے ساتھ مل کر اصلاح ومرمت کا ضروری خرچہ برداشت کرے۔

"درِ مختار" میں ہے:

لا يجبر الشريك على العمارة إلا في ثلاث: وصي وناظر وضرورة تعذر قسمة ككري نهر ومرمة قناة وبئر ودولاب وسفينة معيبة وحائط لا يقسم أساسه فإن كان الحائط يحتمل القسمة ويبني كل واحد في نصيبه السترة لم يجبر وإلا أجبر وكذا كل ما لا يقسم كحمام وخان وطاحون.[1]

****

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين، كتاب الشركة، باب الشركة الفاسدة، ج٤ ص٣٣٢.

فصلِ پنجم: مشترکہ خاندانی نظام سے متعلق متفرق مسائل

مشترکہ گھرانے میں کسی ایک کی کمائی حرام ہو

مشترکہ گھرانے میں اگر کسی ایک شریک کی آمدنی حرام ہو مثلاً وہ کسی سودی بینک میں ایسی ملازمت کرتا ہے جس کا تعلق سود کے لین دین یا لکھت پڑھت سے ہے یا انشورنس کمپنی میں لین دین کی ملازمت کرتا ہے یا اس کے علاوہ کوئی خلافِ شرع کاروبار کرتا ہے، تو کیا اس کی وجہ سے پورے گھرانے کا کھانا پینا حرام ہو جائے گا یا نہیں؟ اس میں یہ تفصیل ہے کہ:

۱: اگر سب شرکاء کی کمائی نوبت بنوبت خرچ ہوتی ہو مثلاً کچھ دن تک ایک شریک سارے اخراجات برداشت کرتا ہے اور اس کے بعد دوسرا شریک اخراجات کرتا ہے، تو ایسی صورت میں جب مالِ حرام والے شریک کی نوبت آئے اور وہ مال حرام سے اخراجات کرے تو اس سے استفادہ کرنا جائز نہیں۔

۲: اگر سب شرکاء کے ذمہ مختلف چیزیں مقرر ہوں جیسا کہ ہمارے ہاں بہت سے جگہوں میں یہ رواج ہے کہ آٹا، گھی وغیرہ کچھ چیزیں ایک شریک کے ذمہ قرار دی جاتی ہیں اور چینی گیس وغیرہ کا خرچہ دوسرے شریک کے سر ڈالی جاتی ہیں، ایسی صورت میں جو چیزیں مال حرام والے شریک کے ذمہ ڈالی جائیں، اس سے استفادہ کرنا جائز نہیں جبکہ وہ مکمل مالِ حرام سے متعلقہ اشیاء مہیا کرے یا ایسے مال سے جس

میں حرام غالب ہو، البتہ حلال مال زیادہ ہو تو گنجائش ہے۔

۳۔اگر بعینہ حرام مال مہیا کرے مثلاً چوری یا رشوت کے ذریعے ملا ہوا آٹا گھی مہیا کرے، تو اس کا استعمال بھی جائز نہیں۔

۴۔اگر ایک یا متعدد ورثاء کی کمائی حرام ہو اور سب شرکاء کی آمدنی ملانے کے بعد اس میں اکثر مال حرام ہو تو اس کو بھی استعمال کرنا اور اس سے استفادہ کرنا شرعاً درست نہیں۔

۵۔ان چار صورتوں کے علاوہ اگر کسی شریک کی طرف سے حرام مال مشترکہ کمائی میں ملایا جائے اور وہ مجموعی مال کے مقابلے میں کم ہو یعنی حلال مال اس کی بنسبت زیادہ ہو اور حرام مال بھی حلال کے ساتھ خلط ملط جائے بعینہ برقرار نہ رہے تو اس مجموعی مال کو جائز مقاصد میں خرچ کرنا، اس سے گھرانہ کی ضروریات پوری کرنا شرعاً جائز ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

قال الناطفي رحمه الله تعالى إذا أهدى الرجل إلى إنسان أو أضافه إن كان غالب مال المهدي من الحرام ينبغي له أن لا يقبل الهدية ولا يأكل من طعامه ما لم يخبر أنه حلال ورثه أو استقرضه من غيره، و إن كان غالب مال المهدي من الحلال لا بأس بأن يقبل الهدية و يأكل ما لم يتبين عنده أنه حرام لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فيعتبرالغالب.[1]

---

[1] فتاوى قاضيخان، كتاب الحظر والإباحة، ج٣ص ٢٤٤.

"اشباہ" میں ہے:

إذا كان غالب مال المهدي حلالا، فلا بأس بقبول هديته، وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام، وإن كان غالب ماله الحرام لا يقبلها، ولا يأكل إلا إذاقال: إنه حلال ورثه أو استقرضه.[١]

مشترکہ گھرانہ میں پردہ کے حدود

پردے کا اصل درجہ یہ ہے کہ عورت اپنے تمام غیر محارم سے اپنے بدن کو چھپاتی رہے، ان کے ساتھ آزادانہ خلط ملط، بے تکلفی سے مکمل احتراز کرے، ان کے ساتھ تنہائی میں بالکل نہ رہے، اس لئے حتی الامکان اسی کا اہتمام کرلینا چاہئے، البتہ مشترکہ گھر میں رہنے کی وجہ سے اگر تمام بدن کا ہر وقت پردہ کرتے رہنا مشکل ہو تو اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ ایک بڑی چادر لے کر اپنے پورے بدن کو ڈھانک لے اور کام کاج کے وقت صرف چہرے، ہتھیلی اور بازو کو کھلا رکھے، چنانچہ امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف رحمہا اللہ سے ایسی روایات بھی منقول ہے کہ کام کاج کی ضرورت کی وجہ سے عورت کے پاؤں اور کلائی بازو کو دیکھنا مباح ہے جبکہ فتنہ و فحش کا خدشہ نہ ہو، چنانچہ "محیطِ برہانی" میں ہے:

وروى الحسن عن أبي حنيفة رضي الله عنهما: أنه يجوز النظر إلى قدمها أيضاً؛ لأنها تحتاج إلى إبداء قدمها إذا مشت حافية أو متنعلة، فإنها لا تجد الخف في كل وقت..عن أبي يوسف: أنه يجوز النظر إلى ذراعيها أيضاً؛ لأنها تصير مبتلياً بإبداء ذراعيها عند

---

[١] غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر، الفنّ الأول، ج١ص٣٤٣.

الغسل والطبخ، قيل: فكذلك يباح النظر إلى ثناياها؛ لأن ذلك يبدوا منها عند التحدث مع الرجال في المعاملات، وذلك كله إذا لم يكن النظر عن شهوة، فإن كان يعلم أنه لو نظر اشتهى، أو كان أكثر رأيه ذلك، فليجتنب بجهده.[1]

مشترکہ طور پر رہن سہن کی صورت میں عورتوں کے لئے چونکہ ہر وقت مکمل جسم کا پردہ کرتے رہنا عملاً مشکل ہوتا ہے، اس لئے ان اقوال پر بھی عمل کرنے کی گنجائش ہے، تاہم اس کے ساتھ ساتھ مندرجہ بالا باتوں کی مکمل پابندی کرنا بھی لازم ہے۔ اس سلسلہ میں بہت کچھ کوتاہیاں ہوتی ہیں، مثلاً:

الف: گھر میں رہنے کی صورت میں پردے کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا، بلکہ شوہر کے بھتیجوں، بھانجوں، اور چچازاد بھائیوں وغیرہ سے پردہ کرنے کو معیوب تک سمجھا جاتا ہے حالانکہ بعض عناصر کے لحاظ سے ان جیسے قریب کے رشتہ داروں سے پردہ کرنا دیگر لوگوں سے پردہ کرنے کی بنسبت زیادہ اہم اور لازم ہے، احادیث مبارکہ میں جو دیور کو "موت" فرمایا گیا ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ ہر وقت بھائی کے گھر آسکتا ہے اس لئے بعض اوقات تنہائی وغیرہ تک کی نوبت پہنچ سکتی ہے۔

ب: آزادانہ میل اور جول اور کھلا اختلاط رکھا جاتا ہے حتیٰ کہ بسا اوقات غیر محرم کے ساتھ تنہائی وخلوت تک کی نوبت آجاتی ہے، حالانکہ یہ قطعاً ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے، حدیث شریف میں ہے:

---

[1] المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والإستحسان، الفصل التاسع، ج٥ص ٣٣٤.

ألا لا يخلون رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان.[1]

"درِ مختار" میں ہے:

وفي الأشباه: الخلوة بالأجنبية حرام.[2]

ج: گپ شپ اور ضرورت و بے ضرورت بات چیت کی جاتی ہے حالانکہ خود ازواجِ مطہرات (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو نرم وخوشنما آواز کے ساتھ غیر محارم سے بات چیت کرنے سے ممانعت فرمائی گئی، اس لئے افرادِ خانہ میں سے جو نامحرم ہے ان کے ساتھ بے ضرورت بات چیت، ہنسی مذاق سے گریز کرنا ضروری ہے بلکہ نامحرم مرد کے سامنے خواتین آپس میں بھی ہنسی مذاق کرنے اور بے حجابانہ گپ شب لگانے سے احتراز کریں۔

د: بہت سی جگہوں میں غیر محرم مردوں کے ساتھ ہاتھ ملایا جاتا ہے، حالانکہ عام حالات میں غیر محرم کے ساتھ بلا حائل ہاتھ ملانا شرعاً ناجائز اور سخت گناہ ہے، جس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

"ولا يحل له أن يمس وجهها ولا كفيها وإن كان يأمن الشهوة" لقيام المحرم وانعدام الضرورة والبلوى، بخلاف النظر لأن فيه بلوى. والمحرم قوله عليه الصلاة والسلام: "من مس كف امرأة ليس منها بسبيل وضع على كفه جمرة يوم القيامة" وهذا إذا كانت شابة تشتهى.[1]

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث: ٢١٦٥.

[2] الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، ج٦ص ٣٦٨.

س: مردوں کو بھی چاہئے کہ گھر میں آمد ورفت کے وقت کھنکھار کر آنے کا اہتمام کریں تاکہ اگر کوئی خاتون سامنے ہو تو وہ فوراً حجاب کا اہتمام کرے، اس طرح احتیاط کرنے سے پردے کے حکم کا تحفّظ ہو جائے گا جس میں دین ودنیا کے بہت سے فوائد اور نعمتیں نصیب ہو سکتی ہیں انشاءاللہ تعالیٰ۔

احسان وبھلائی کی وجہ سے کسی کی کمائی میں شرکت کا دعویٰ

بڑے بھائیوں نے چھوٹے بھائی کو کام کاج کرنے سے فارغ کرکے تعلیم کے لئے فارغ کردیا، تعلیم کے بعد اس کو کوئی بڑی نوکری ملی، تو اس کی تنخواہ میں دیگر بھائیوں کا کوئی استحقاق نہیں ہے البتہ اس کو اخلاقی طور پر چاہئے کہ دیگر بھائیوں کے احسانات کو فراموش نہ کرے اور اپنی استطاعت کے بقدر ان کی خاطر مدارات کرتا رہے۔

ایک یا متعدد بھائیوں نے مل کر ایک بھائی کو باہر ملک کسی ملازمت کے لئے بھیجا اور اس نے جاکر وہاں مال کمایا تو اس کمائی میں دیگر بھائی شراکت کا دعویٰ نہیں کر سکتے، البتہ بھیجنے کے لئے جو اخراجات انہوں نے کئے تھے، اس کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں وہی تفصیل ہے جو پہلے گزر چکی ہے کہ اگر بھائی چارگی اور احسان کے طور پر یہ اخراجات برداشت کئے تو مطالبہ کرنے کا حق نہیں اور اگر قرض کے طور پر کئے تو جس بھائی نے اس طور پر جتنا خرچہ کیا، اتنی رقم کا وہ مطالبہ کر سکتا

---

[١] الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الكراهية، فصل في الوطء والنظر واللمس، ج٤ص ٣٦٨.

ہے۔

والد صاحب کسی بڑے عہدے پر فائز تھے،اب اس کا انتقال ہوا اور متعلقہ ادارے کی طرف سے مرحوم کے بیٹوں میں سے کوئی ایک بیٹا اس عہدے کو حاصل کر سکتا ہے، کسی ایک بھائی نے بڑھ کر محکمہ کے ضابطہ کے مطابق وہ عہدہ حاصل کیا یا تمام بھائیوں نے مل کر کسی کو ایک منتخب کیا اور یوں ایک بھائی مرحوم والد کے عہدے پر فائز ہوا، تو یہ بھی دیگر بھائیوں کی خیر خواہی اور احسان شمار ہوگا اور محض اس کی وجہ سے ان بھائیوں کا اس کی تنخواہ میں کوئی استحقاق پیدا نہیں ہوگا۔

ایک بستر پر سونے کا حکم

بعض علاقوں میں دیکھا گیا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں آپس میں ایک ہی بستر اور ایک ہی چارپائی میں سوتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، مسئلہ یہ ہے کہ جب اولاد دس سال کی ہو جائے تو ان کا بستر جدا کر لینا ضروری ہے،اس کے بعد کسی واقعی عذر کے بغیر ایک ہی بستر میں دو یا زیادہ بہن بھائیوں کا سونا شرعاً درست نہیں ہے اس کی وجہ سے بڑے فتنے پیدا ہو جاتے ہیں،اس لئے حدیثِ مبارکہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ دس سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد بچوں کے بستر جدا کر دئے جائیں، چنانچہ سنن ابی داؤد میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها، وهم أبناء عشر

وفرقوا بينهم في المضاجع.[1]

"درِ مختار" میں ہے:

(ولا يجوز للرجل مضاجعة الرجل وإن كان كل واحد منهما في جانب من الفراش) .. وإذا بلغ الصبي أو الصبية عشر سنين يجب التفريق بينهما بين أخيه وأخته وأمه وأبيه في المضجع لقوله عليه الصلاة والسلام وفرقوا بينهم في المضاجع وهم أبناء عشر.[2]

****

[1] سنن أبي داود، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة.

[2] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، ج٦ص ٣٨٢.

فصل ششم: نابالغ بچوں کے املاک کے احکام

نابالغ بچوں کی چیزیں استعمال کرنے کا حکم

جو چیزیں کسی نابالغ بچے کی ملکیت میں ہوں، مثلاًاس کو میراث میں ملی ہو، کسی نے اس کو کوئی چیز دیدی یا خود والدین نے کوئی چیزیں مالکانہ طور پر دیدی، تو والدین یا دیگر سرپرستان کی ذمہ داری ہے کہ ان اشیاء کی حفاظت کریں اور جس بچے کی ملکیت ہے، اسی کی مصلحت میں خرچ کریں، ان اشیاء میں بچے کی مصلحت کے خلاف کوئی تصرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، عام طور پر اس مسئلہ میں بڑی کوتاہی برتی جاتی ہے، والدین اور مشترکہ طور پر رہتے ہوئے دیگر اہلِ خانہ بچوں کے مال میں شرعی حدود کا خیال بالکل نہیں رکھا جاتا بلکہ موقع موقع پر اس میں بہت سی غفلت کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے جس کی چند مثالیں درجِ ذیل ہیں:

الف: بچے کے ہاتھ سے خود یا اس کے دینے پر کوئی چیز لیکر کھانا اور اپنے لئے استعمال کرنا۔

ب: ایک بچے کے ہاتھ سے کچھ چپس، ٹافی وغیرہ کوئی معمولی یا غیر معمولی چیز لیکر دوسرے بچے کو دیدینا۔

ج: کسی بچے کے لئے گرمی/سردی کا لباس یا دیگر اسباب وسامان خرید کر دیدیا، ضرورت پوری ہو جانے کے بعد وہ چیزیں دیگر بچوں کو مفت میں دینا یا استعمال

کر سکنے کے باوجود یوں ہی ضائع کر دینا۔

د: بچے کی مملوکہ رقم یا دیگر کوئی چیز بلا ضرورت اس نیت سے استعمال کرنا کہ بعد میں دیدوں گا۔

س: والدین اور سرپرست کے علاوہ دیگر لوگوں کا بچوں سے اپنی ذاتی خدمت لینا، جبکہ اس میں بچے کی تادیب وتہذیب وغیرہ کوئی مصلحت بھی ملحوظِ نظر نہ ہو۔

ص: بچے کی مملوکہ چیز وقتی طور پر خود استعمال کرنا یا کسی اور کو دلانا۔

ط: مشترکہ ترکہ /اموال سے کوئی صدقہ وخیرات کرنا، جبکہ اس میں نابالغ بچوں کا حصہ بھی ہو۔

یہ اور اس نوعیت کے تمام وہ تصرفات جو احسان اور تبرّع پر مبنی ہو، بچوں کے اموال میں جائز نہیں ہے کیونکہ نابالغ بچہ تبرّع کا اہل نہیں ہے، تبرّع درست ہونے کے لئے عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے چنانچہ نابالغ یا دیوانہ شخص کسی کو ہدیہ، تحفہ یا احسان کے طور پر کچھ دینا بھی چاہے تو اس کو اپنے لئے وصول کرنا اور استعمال کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اوّل تو وصول ہی نہ کرے اگر کہیں وصول کرنے کی ضرورت ہو مثلاً کسی بچہ کو بہلانے کے لئے ایسا کرنے کی نوبت آجائے، تو وصول کرنے کے بعد واپس لوٹانا ضروری ہے۔

پھر یہ تبرع واحسان چاہے مادی چیزوں کے متعلق ہو یا خدمت ومنفعت کی شکل میں، بہر صورت درست نہیں ہے، جس طرح ہدیہ، صدقہ تبرع واحسان ہے یوں ہی کسی کی چیز وقتی طور پر لیکر استعمال کرنا یعنی عاریت یا قرض کے طور پر کوئی چیز لینا بھی تبرع کی ایک قسم ہے، لہٰذا نابالغ بچے کے مال میں یہ سارے تصرّفات شرعاً

ممنوع ہیں جس سے احتراز کرنا لازم ہے، والدین کے حق میں بھی عام حالات میں یہی حکم ہے، البتہ بعض حالات میں ضرورت کے وقت وہ نابالغ بیٹے کا مال اپنے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔

مبسوط میں ہے:

وكفالة الصبي التاجر بإذن أبيه أو بغير إذنه بنفس أو مال باطلة؛ لأنه تبرع ولا يملكه الصبي بغير إذن أبيه ولا بإذنه كالهبة وهذا لأن عقل الصبي إنما يعتبر شرعا فيما ينفعه، والتبرع ليس من جنس ما ينفعه عاجلا، وإذن الأب له لا يصح فيما لا يملك الأب مباشرته كالطلاق ونحوه؛ ولأن الكفالة إقراض للذمة بالتزام الحق فيها فكان كإقراض المال فلا يملكه الصغير بإذن أبيه ولا بغير إذنه.[1]

الاشباہ میں ہے:

وإذا أهدي للصبي شيء وعلم أنه له فليس للوالدين الأكل منه بغير حاجة كما في الملتقط.[2]

درِ مختار اور شامی میں ہے:

ويباح لوالديه أن يأكلا من مأكول وهب له، وقيل لا، انتهى، فأفاد أن غير المأكول لا يباح لهما إلا لحاجة.

وفي الردّ تحته: قال في التتارخانية روي عن محمد نص أنه يباح. وفي

---

[1] المبسوط للسرخسي، كتاب الكفالة،باب الكفالة بالنفس والوكالة بالخصومة، ج٢٠ص٨.

[2] الأشباه والنظائر مع الغمز ،أحكام الصّبيان، ج٣ص ٣١٧.

الذخيرة: وأكثر مشايخ بخارى على أنه لا يباح. وفي فتاوى سمرقند: إذا أهدي الفواكه للصغير يحل للأبوين الأكل منها إذا أريد بذلك الأبوان لكن الإهداء للصغير استصغارا للهدية اهـ.

قلت: وبه يحصل التوفيق، ويظهر ذلك بالقرائن، وعليه فلا فرق بين المأكول وغيره بل غيره أظهر فتأمل.[1]

بچوں کے املاک کے متعلق مشکلات سے بچنے کی آسان تدبیر

نابالغ بچوں کے اموال کے متعلق جتنے احکام ابھی تک ذکر کئے گئے ہیں، اس کی بنیاد اس پر ہے کہ بچوں کے ہاتھ کوئی چیز مالکانہ طور پر تھمادی جائے یا والدین ہدیہ/گفٹ کے طور پر کوئی چیز اس کے لئے مختص کردیں، اگر والدین یا دیگر رشتہ دار یہ احتیاط کریں کہ بچے کو کوئی چیز مالکانہ طور پر دینے یا مختص کرنے کے بجائے عاریت اور اباحت کا معاملہ کیا کریں تو اس صورت میں یہ مشکلات کافی حد تک ختم ہو جاتی ہیں کیونکہ اس صورت میں بچہ مالک نہیں بنے گا بلکہ دینے والے کی ملکیت برقرار رہے گی لہٰذا اگر چاہے تو وہ خود اس چیز کو استعمال کر سکتا ہے اور اس کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت سے دیگر رشتہ دار وغیرہ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر اگر بچہ چھوٹی موٹی کھانے کی چیز خریدنے کے لئے پیسے مانگتا ہے تو والد پیسے دیتے ہوئے اس نیت سے نہ دے کہ بس یہ پیسے اس کے ہو گئے بلکہ عاریت/قرض کی نیت سے دیدے یا اپنے لئے اس چیز کو لینے کا کہے، پھر بلا شبہ بچے ہی کو کھانے دے، پہلی دو صورتوں میں بچے کو دل سے بری کردے، اسی طرح لباس،

---

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين، كتاب الهبة، ج٥ص ٦٩٦.

جوتا، سائیکل اور کھلونا وغیرہ چیزیں خریدتے وقت یہ نیت نہ کریں کہ بچے کی ہو جائے گی بلکہ اپنی ملکیت میں ان تمام اشیاء کو برقرار رکھتے ہوئے اباحت کے طور پر اولاد کو مہیا کر دیدیں۔

بچوں کے نام تحفہ وتحائف کا حکم

شادی بیاہ یا ختنہ وضیافت وغیرہ کے موقع پر بچوں کو تحفہ وتحائف دئے جاتے ہیں، لیکن ان کے لیتے دیتے وقت یہ بات واضح نہیں کی جاتی کہ اصل ہدیہ کس کو دینا مقصود ہے حالانکہ دونوں کے مسائل واحکام جدا جدا ہیں اور اس کی وجہ سے بعض اوقات بڑی الجھن پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے بچوں کے نام کچھ دیتے وقت اوّلاً تو خود دینے والے کو چاہئے کہ وہ خود وضاحت کرے کہ خاص بچے کو دینا مقصود ہے یا اس کے والدین کو؟ اگر دینے والے نے کسی وجہ سے اس بات کی وضاحت نہیں کی تو لینے والے کو چاہئے کہ وہ اس کا منشا معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کرے، اس میں شرما شرمی سے کام لینا مناسب نہیں ہے بلکہ یہ تو معاملات کی صفائی ہے جس سے سب کو راحت ملتی ہے۔

اگر کہیں تحفہ دینے والے نے کوئی وضاحت کی، نہ ہی والدین وغیرہ کوئی استفسار کر سکیں، تو اس کے حکم میں یہ تفصیل ہے کہ تحفہ کی نوعیت کو دیکھا جائے:

الف: اگر کوئی ایسی چیز ہے جو بچے ہی کے استعمال کی ہے مثلاً بچے کے بدن کے مناسب لباس وپوشاک، کھلونا وغیرہ، تو اس قسم کی چیزیں خود بچے ہی کی ملکیت شمار ہو گی اور اس میں ان احکام کی پابندی ضروری ہے جو پہلے ذکر کئے جا چکے۔

ب: اگر چیز ایسی ہو کہ وہ والدین میں سے کسی کے ساتھ مخصوص ہو، مثلاً

مردوں یا عورتوں کا مخصوص لباس، یا دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص زیب وزینت کے لئے استعمال ہونے والی چیزیں وغیرہ، یہ اسی کا ہوگا جس کے ساتھ مخصوص ہو اور یہ سمجھا جائے گا کہ تحفہ دینے والا اسی کو تحفہ دینا چاہتا تھا لیکن کم قیمت ہونے یا کسی اور وجہ سے بچے کے سر رکھ دیا۔

ج: اگر چیز بچے کے ساتھ مخصوص ہے نہ ہی والدین میں کسی کے ساتھ خاص ہے، تو ایسی صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ تحفہ دینے والا کون ہے؟ اگر والد کے رشتہ دار یا دوست واحباب نے یہ چیز دی ہیں تو والد کا تحفہ شمار ہوگا اور اگر والدہ کے سہیلیوں یا اس کے اقرباء نے کوئی چیز بچے کے پاس رکھی ہیں تو وہ بچے کے والدہ کو تحفہ دینا سمجھا جائے اور یہی قرار دیا جائے گا کہ اصل تحفہ اسی والد یا والدہ کو دینا مقصود تھا لیکن کم قیمت ہونے یا کسی اور عنصر کی وجہ سے بچے کے سرہانے رکھا۔

"تکملہ بحر" میں ہے:

لو اتخذ الأب وليمة للختان فأهدى الناس هدايا ووضعوا بين يدي الولد فإن كانت الهبة تصلح للصبي مثل ثياب الصبيان أو شيء يستعمله الصبيان فالهدية للصبي وإن كانت غير تلك كالدراهم والدنانير والحيوان ومتاع البيت ينظر إلى المهدي إن كان من أقرباء الأب أو معارفه فهو للأب وإن كان من أقرباء الأم أو معارفها فهو للأم وسواء كان المهدي يقول عند الهدية هذا للصبي أو لم يقل وهذا إذا لم يقل المهدي أهديت للأب أو للأم وتعذر الرجوع..

إلى قوله أما إذا قال شيئا فالقول قوله كذا في الخلاصة. اھ۔[1]

علامہ ابن شحنہ رحمہ اللہ نے اس کے ساتھ مزید فرمایا کہ:

ينظر الى المهدي إن كان من أقرباء الأب أو معارفه فهو للأب لأن التمليك منه عرفا وإن كان من أقرباء الأم أو معارفها فهو للأم لأن التمليك منها عرفا فكان التعويل على العرف حتى لو وجد سبب أو جهة يستدل به على غير ما قلنا يعتمد على ذلك.[2]

بیٹے کے مال میں تصرف کرنے کے حدود

اگر والدین محتاج و فقیر ہیں تو اولاد پر لازم ہے کہ ان کے نان ونفقہ کا مناسب انتظام کریں، نان نفقہ کی ضرورت کے علاوہ بھی والدین کی جانی ومالی خدمت کرنا، ان کو آرام و سکون پہنچانا دنیا وآخرت کے لحاظ سے بڑی سعادت اور خوش بختی کی علامت ہے اور ساتھ احسان شناسی اور ایک اخلاقی فریضہ بھی ہے، لیکن اس کے باوجود والدین کے لئے اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ کسی بیٹے کی رضامندی یا اجازت کے بغیر بلا ضرورت اس کے مال کو خرچ کریں، ہبہ وصدقہ کردیں یا کہیں فروخت کردیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ ایک حدیث سے استدلال کرکے غلط فہمی کے شکار ہو جاتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے دربارِ عالیہ میں ایک موقع پر بیٹے نے باپ کے خلاف کچھ شکایت

---

[1] البحر الرائق، كتاب الهبة، ج۷ص ۲۸۸.

[2] لسان الحكام،الفصل التاسع عشر في الهبة،ص۳۷۲.

کی کہ وہ اس کا مال بغیر اجازت استعمال کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹے سے فرمایا تھا کہ "انت ومالک لابیک" تو اور تیرا مال باپ کا ہے، اس روایت سے استدلال کر کے یہ سمجھا جاتا ہے کہ باپ بیٹے کا مال جس طرح چاہے، استعمال کر سکتا ہے کیونکہ بیٹے کا مال در حقیقت باپ ہی کا مال ہے، اس لئے بہت سے والدین اولاد کا مال بے دھڑک استعمال کرتے ہیں اور اس میں کسی طرح اجازت لینے یا اطلاع تک دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ اس کو خلافِ مروت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ بسا اوقات بیٹا ان تصرفات پر دل سے راضی نہیں ہوتا اور خود والدین کو بھی اس کا علم ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ اس حدیث شریف کا یہ مقصود نہیں ہے اور اس سے یہ استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ بیٹے کا مال بہر حال باپ کی ملکیت ہے جسے وہ جب اور جیسے چاہے استعمال کر سکتا ہے، یہ مفہوم تو متعدد دلائل کے بھی خلاف ہے اور ان احادیث کی بھی جس میں یہ ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے کہ والد، اولاد سمیت تمام لوگوں کی بنسبت ہر شخص اپنے مال کا زیادہ حقدار ہے، چنانچہ سنن دار قطنی میں ہے:

عن حبان بن أبي جبلة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل أحد أحق بماله من والده وولده والناس أجمعين.[1]

لہذا مندرجہ بالا حدیث نان و نفقہ کی ضرورت کے وقت ہی پر محمول ہے چنانچہ جس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی وہ ابھی ایسا ہی موقع تھا کہ جہاں باپ بیٹے کا محتاج تھا۔

---

[1] سنن الدارقطني، رقم الحديث: ٤٥٦٨، ج٥ص٤٢٢.

تقریباً تمام احکام میں باپ بیٹے کے جدا جدا املاک کی رعایت رکھی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ محض بیٹے کے مالدار ہونے کی وجہ سے باپ پر زکوۃ واجب ہے نہ قربانی وصدقہ فطر،اسی طرح اگر باپ بہر حال بیٹے کے املاک کا مالک ہوتا،بیٹے کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ تقسیم کرنے کی ضرورت نہ تھی حالانکہ عام حالات میں والد کے لئے بیٹے کے ترکہ میں صرف چھٹا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔

امام ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ ایک مسئلہ کی تشریح کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

وليس له من ماله إلا القوت عند الفقر والزمانة وما استهلك من ماله غير ذلك ضمنه له ألا ترى أنه ليس له من مال ولده إن مات وترك ولدا إلا السدس وسائر ماله لولده،وهذا بين أن قوله صلى الله عليه وسلم (أنت ومالك لأبيك) أنه ليس على التمليك وكما كان قوله عليه الصلاة والسلام (أنت) ليس على التمليك فكذلك قوله عليه الصلاة والسلام (ومالك) ليس على التمليك ولكنه على البر به والإكرام له.[1]

علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(كل أحد أحق بماله من والده وولده والناس أجمعين) لا يناقضه الخبر المار أنت ومالك لأبيك لما سبق أن معناه إذا احتاج لمالك أخذه لا أنه يباح له ماله على الإطلاق إذ لم يقل به أحد.[2]

****

[1] الاستذكار ،باب ما لا حد فيه،ج٧ص ٥٢٥.

[2] فيض القدير،رقم الحديث: ٦٢٧١ ج٥ص ٩.

کچھ دیگر کاوشیں

کتاب	مصنف
الفتاویٰ الخیریۃ (محقق و مخرّج)	مفتی ثناءاللہ صاحب
اصولِ تکفیر	مفتی عبید الرحمن صاحب
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	مفتی عبید الرحمن صاحب
فقہ البدعۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ	مفتی عبید الرحمن صاحب
فقہی رسائل و مضامین	مفتی عبید الرحمن صاحب
براہینِ قاطعہ (محقق و مخرّج)	مولانا عادل رضا صاحب
عطرِ ہدایہ (محقق و مخرّج)	مفتی عبید الرحمن صاحب
ظہورِ مہدی اور ہماری ذمہ داریاں (مختصر)	مفتی ثناءاللہ صاحب
عالمی منظر نامے پر بیعت مہدی کے بنیادی خدوخال اور ہماری ذمہ داریاں	مفتی ثناءاللہ صاحب
دجال سے متعلق روایات میں ظاہری تعارض اور عصر حاضر کے تناظر میں ان کی ممکنہ تطبیق	مفتی ثناءاللہ صاحب
امام مہدی اکابر علمائے دیوبند کی تشریحات کی روشنی میں	مفتی ثناءاللہ صاحب
ایمان ویقین کی محنت اور ظہورِ مہدی	مفتی ثناءاللہ صاحب
الامام المہدی (ترجمان السنۃ اور معارف الحدیث کے تناظر میں تحقیق، تطبیق و تخریج)	مفتی ثناءاللہ صاحب
الامام المہدی (الاشاعۃ لاشراط الساعۃ کا اردو ترجمہ، تخریج، تحقیق و تطبیق)	مفتی ثناءاللہ صاحب
کیا امام مہدی کی شخصیت پہلے سے معلوم ہو گی؟ قرآن وسنت کی روشنی میں	مفتی ثناءاللہ صاحب